

معصوم کی شان میں گستاخی کا دنداشکن جواب

كشف الحجاب

سید باقر ثارزیدی

جملہ حقوقِ حق مصنف محفوظ

نام کتاب: کشف الحجاب
مصنف: سید باقر شاڑی زیدی
ناشر: سید باقر شاڑی زیدی
کمپوزنگ: سید آفتاب حسین رضوی
ٹائل ڈیزائننگ: سید صدر عباس زیدی
طبع اول: جون ۲۰۱۸ء
تعداد: ۱۰۰۰
قیمت: Rs.130
رابطہ: موبائل نمبر ..	(0333-2120721), (0334-3596762)
ہماری کتابیں درج ذیل Websites پر پڑھی اور Download کی جاسکتی ہیں۔	

www.alihaq.com

www.hubeali.com

www.wilayat-e-ali.org

مأخذ

<u>مؤلف</u>	<u>كتاب</u>
ترجمہ سید امداد حسین کاظمی	القرآن الحكيم
محمد بن یعقوب کلینی	اصول کافی
شیخ صدوق	من لا تحضره الفقيه
شیخ صدوق	الخصال
شیخ صدوق	كمال الدين و تمام العمر
شیخ صدوق	معانی الاخبار
شیخ صدوق	عيون اخبار الرضا
فرات بن ابراهیم کوفی	تفسير فرات
شیخ عبدالحوزی	تفسير نور الشفایقین
علامہ جاوید جعفری	حکمت بوتراب
سید احمد مستبط	القطرة من بحار
سید محمد هاشم بحرانی	تفسير برہان
سید برکت حسین رضوی	غناء
شیخ مفید	امالی
شیخ زین الدین بن علی العاملی (شہید ثانی)	حننیۃ المرید

<u>مؤلف</u>	<u>كتاب</u>
محمد رے شہری	میزان الحکمت
سید اصغر ناظم زادہ نقی	تجلیات حکمت
علامہ مجلسی	بخار الانوار
میرزا محمد تنکابنی	قصص العلماء
الشیخ ابن الیزینب محمد بن ابراہیم نعماںی	غیبت نعمانیہ
آخر کاشمیری	آتشکدہ ایران
حافظ بشیر حسین خفی	مختصر الاحکام
محمد حسن صلاح الدین	ولایت فقیہ
محمد تقی امین	فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر
شہید مرتضی مطہری	سخن
آغا خمینی	توضیح المسائل
آغا خمینی	رسالہ نوین
آغا خمینی	مناسک حج
آغا سیستانی	جدید فقہی مسائل
آغا خامنہ ای	استفتاء
ڈاکٹر عز الدین ابراہیم	شیعہ سنی اختلاف ایک بے حقیقت غونجا

فہرست مضمایں

صفحہ نمبر

۳

۵

۹

۱۰

۱۱

۱۳

۱۹

۲۰

۲۲

۲۵

۲۶

۳۲

۳۳

۳۷

۳۸

عنوان

مأخذ

فہرست مضمایں

ہدیہ

انتساب

ناخواستہ

بنیادی بات

جوابدہ

آداب احرام

تقییہ مدارانی

کھانے پینے کی چیزیں

عورتوں کے مسائل

طریقہ وضو

وسواس الحنفی

حکم اور تشبیہ

تشابہ کی تعریف

فہرست مضمون

<u>عنوان</u>	<u>صفحہ نمبر</u>
محکم و تشابہ کی حقیقت	۳۹
ناسخ و منسوخ	۲۲
علم اسماء الرجال	۲۷
نمازِ جمعہ و عیدین	۵۹
نماز	۴۳
روزہ	۴۵
حج	۴۵
زکوٰۃ	۴۵
جہاد	۴۶
نمازِ جمع	۴۶
محمدث، فقیہ اور مجتہد	۷۶
محمدث	۷۷
فقیہ	۷۷
اجماع	۸۳
قياس	۸۷

فہرست مضمون

<u>صفحہ نمبر</u>	<u>عنوان</u>
۸۸	قیاس کی تعریف
۹۰	اجتہاد
۹۵	اجتہاد کی حقیقت
۹۷	ولایتِ فقیہ
۱۰۶	جعلی مجتہد
۱۱۰	جعلی اجتہاد کی اصل بنیاد
۱۱۳	تقلید
۱۱۷	تقلید کے بارے میں چند ارشاداتِ معصومینؐ
۱۱۹	سیرت الحجتہدین
۱۱۹	پیت الخلاء میں مطالعہ
۱۲۰	عجیب و غریب روزہ
۱۲۱	ملا بنا مام ملا
۱۲۱	عقیدے کا فساد
۱۲۳	خوش فہمی
۱۲۳	عمل سازی

فہرست مضمون

<u>صفحہ نمبر</u>	<u>عنوان</u>
۱۲۵	مغلوب الشہوت
۱۲۶	علامہ حلی کا طریقہ
۱۲۶	خون کا دریا
۱۲۷	کنجوں یا کچھ اور؟
۱۲۸	سفید جھوٹ
۱۳۱	شراب پاک ہے
۱۳۲	مسلک جدا، بات ایک
۱۳۲	ایک کروڑ
۱۳۳	علماء کی سیرت
۱۳۵	عجبائِ السالئین
۱۳۶	دشمنی معصوم
۱۶۰	گُفر کی انہما

ہدیہ

میں اپنی اس حقیر کوشش کو ہدیہ کرتا ہوں اپنے مظلوم امام علیؑ ابن الحسینؑ کی
بارگاہِ اقدس میں جن کی مظلومیت پر خود مظلومیت بھی آنسو بہاتی ہے اور جن
پر آج بھی ان کے دوست نما شمن ظلم کے ایسے پھاڑ ڈھار ہے ہیں جو ان کے
بدترین شمن بھی ڈھانے کی جراءت نہ کر سکے۔ لیکن جب تک ان کے وفادار
غلاموں میں سے ایک بھی زندہ ہے، وہ ہر حال میں اپنے آقا کا دفاع کرتا
رہے گا اور ایسی زبان کو ہمیشہ کیلئے بند کر دے گا جو ان کی شان میں گستاخی پر
آمادہ ہو۔ اے میرے مظلوم آقا! اپنے بندوں کی مدد فرمائیے۔

انتساب

اس کتاب کا انتساب اُن تمام مومنین و مومنات کے نام جن کی تمام مترمبوتوں کا
مرکز دہیز جناب فاطمۃ الزهراء ہے۔ جو اہلیت اطہار سے جس قدر شدید
محبت کرتے ہیں اُسی قدر ان کے دشمنوں سے شدید دشمنی رکھتے ہیں۔ جو
اہلیت کے خلاف دراز ہونے والی ہر زبان کو بند کرنے اور ان کی طرف اٹھنے
والی ہر انگلی کو کاٹ دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور جو اس انتظار میں رہتے ہیں
کہ کب ان کا مولاً ظہور فرمائے اور کب وہ ان کے دشمنوں سے اپنا حساب
چُکائیں۔

عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

ناخواستہ

میداں علم سوال و جواب اور مکالمے سے عبارت ہے۔ سوال اگر علم کی کنجی ہے تو جواب علم کا تحفہ ہے۔ لیکن یہی سوال جب کچھ بخشی اور رکیک اذیمات کی شکل اختیار کر لے تو اس کا واحد علاج خاموشی ہے کیونکہ ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا اور ہر شور مچانے والی چیز کے پیچھے پھر لے کر بھاگنا عقلاء کا وظیرہ نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے ہم بھی احتمانہ باتوں کا جواب کبھی نہیں دیتے لیکن جب کوئی کھلم کھلا گمراہی پھیلانے لگے، مومنین کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے لگے اور انتہائی ڈھنڈائی کے ساتھ ائمہ طاہرین کی شدید ترین توہین کرنے لگے تو ایسے موقع پر خاموش رہنا اس جرم میں شریک ہونے کے مترادف ہے اور ایسے گستاخوں کا منہ بند کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ایک دیدہ دلیر منڈی بہاء الدین میں دریافت کیا گیا ہے جس نے بظاہر کتاب ”کشف الحقائق“ کے جواب میں ہرزہ سرائی کی ہے جس کا نام اُس نے ”اسرار الحقائق“ رکھا ہے۔ اگر یہ صرف ہماری کتاب تک ہی محدود رہتا تو ہم ہرگز لب کشائی نہ کرتے کیونکہ اس میں وہی کھسی پٹی با تیں دہرائی گئی ہیں جن کا ہم بار بار جواب دے چکے ہیں۔ لیکن اس نے ہماری کتاب کی آڑ لے کر معصومینؐ کی ایسی بے با کانہ توہین کی ہے جس کو پڑھ کر ہر صاحب حیثیت انسان کا نپ کر رہ جاتا ہے۔ پھر اس نے ایسی شاطرانہ چالیں چلی ہیں کہ اگر ان پر تھوڑا سا بھی دھیان کر لیا جائے تو انسان ایسی شش و پنج میں بتلاء ہو جائے کہ نہ اس کا اعتماد قرآن پر باقی رہے اور نہ حدیث مucchum اس کے کسی کام کی رہے اور اس کے پاس کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے سوائے اس کے اللہ و رسول و ائمہ طاہرین سے قطع تعلق کر کے ایک جائز الخطاء و نسیان و عصیان مجتہد کے پیچھے

آنکھ بند کر کے چلتا رہے اور اسی حالت میں زندگی گزار دے۔ اس صورتحال کو کوئی بھی صاحبِ عقل و ہوش انسان قول نہیں کر سکتا۔ منڈی بہاء الدین کے مومنین میں بھی ایک شدید اضطراب پیدا ہوا اور وہاں نقشِ امن کی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ اس کتاب کے مصنف محترم ذوالفقار علی حشم یہ کتاب منڈی بہاء الدین میں مفت تقسیم کر کے خود تو یونان بھاگ گئے اور اپنے پیچھے تمام شیعیان علیؑ کو آپس میں دست و گریبان ہونے کیلئے چھوڑ گئے۔ مجھے اس واردات کی اطلاع دی گئی اور مجھ پر شدید دباو ڈالا گیا کہ میں اس کتاب کا جواب لکھوں۔ میں نے وعدہ کرنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگایا لیکن ارادی طور پر جواب لکھنے میں تاخیر کرتا رہتا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مومنین کی اضطرابی کیفیت ختم ہو جائے اور صورتحال معمول پر آنے کے بعد وہ ٹھنڈے دل سے ہماری معروضات کو پڑھ اور سمجھ سکیں اور اس جھوٹ اور فریب کی حقیقت تک پہنچ سکیں جس کے ذریعے مومنین میں افراق پھیلانے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔

مجھے منڈی بہاء الدین سے میرے ایک عزیز کرم فرمائی کوثر حسین صاحب کا ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے وہ تمام بحث و مباحثہ بیان فرمایا جوان کے اور ذوالفقار علی حشم (مصنفِ کتاب اسرار الحقائق) کے درمیان ہوا تھا اور بات بیہاں ٹھہری تھی کہ اگر خواجہ صاحب حشم کو مجتهد کا کوئی ایسا فتویٰ دکھادیں جو قولِ معصوم کے خلاف ہو تو وہ مان لیں گے کہ مجتهد جھوٹا ہے۔ لیکن یہ وعدہ کر کے حشم صاحب ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ کبھی معلوم ہوتا کہ وہ کھاریاں میں ہیں۔ کبھی اطلاع آتی کہ وہ چورنڈہ گاؤں میں تشریف فرمائیں۔ کبھی ان کی اہلیہ محترمہ بیمار پڑ جاتیں۔ بالآخر پتہ چلا کہ موصوف نے پاکستان کو داروغہ مفارقت دے کر یونان میں پناہ لے لی ہے کہ اب ان کے دامن پارسائی

تک گنہگاروں کا ہاتھ پہنچنا ذرا مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن وہ ہماری نظر سے دور سہی مگر ہمارے قلم سے دور نہیں ہیں اور وہ جہاں بھی ہوں بہر حال ہماری گرفت میں ہیں اور انہیں ہر صورت میں وہ زہر چکھنا پڑے گا جو انہوں نے خود بنایا تھا۔

بنیادی بات

جب دو اشخاص علمی مباحثہ کریں تو ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے عقائد سے واقف ہوں۔ اگر آپ کسی کو بریلوی سمجھ کر بات کر رہے ہوں اور وہ گھنٹے بعد پتہ چلے کہ وہ تو دیوبندی ہے تو آپ کی دو گھنٹے کی محنت بر بادگئی۔ لہذا ہم پہلے ہی مرحلے میں خود بھی اپنے عقیدے کا اعلان کرتے ہیں اور حشم صاحب سے بھی ان کا عقیدہ اُگلواتے ہیں تاکہ بات کرنے میں آسانی ہو کیونکہ بظاہر تو وہ بھی شیعہ ہونے کے مدعاً ہیں۔

اگر دو مسلمان ساتھ بیٹھے ہوں لیکن ایک خود کوشیعہ اور دوسرا خود کو سنی کہہ رہا ہو تو تجھس ضرور پیدا ہو گا کہ مسلمان ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے مذہب کا نام الگ الگ کیوں رکھا ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے عقائد میں کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہے اور انسان کے عقیدے کا پتہ اس کے کلمے سے چلتا ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ سنی اور شیعہ کلمے میں فرق صرف ”علیٰ ولی اللہ“ کا ہے۔ سنیوں کا کلمہ ہے۔ ”**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللَّهُ عَلَيْ وَلِيُّ اللَّهُ**“ اور شیعوں کا کلمہ ہے ”**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ الرَّسُولُ**“ رسول نے اور ائمہ طاہرین نے ہمیں اسی کلمے کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ سورہ فاطر آیت ۱۰ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”**إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ**“

يَرْفَعُهُ۔ (اسی کے حضور میں پاکیزہ کلے چڑھتے ہیں اور نیک عمل بھی کروہ (اللہ تعالیٰ) اس کو بلند کرتا ہے)۔ اس آیت کا مفہوم جب امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ”**الكلمة الطيّب**“ سے مراد مون کا وہ قول ہے جس میں وہ کہتا ہے۔ ”لا إله إلا الله محمد رسول الله على ولی الله“۔ (تفسیر صافی۔ تفسیر مراءۃ الانوار۔ تفسیر برہان)۔

ہم بہانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا کلمہ وہی ہے جو ہمارے مالک نے ہمیں تعلیم دیا ہے یعنی ”لا إله إلا الله محمد رسول الله على ولی الله“ اور ہمارا ایمان ہے کہ ”على ولی الله“ کے بغیر کلمہ ناکمل اور ناقص ہوتا ہے اور سورہ فاطر کی رو سے اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کلمہ ولایت کے بغیر کوئی عمل قبول ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا۔ اب حشم صاحب ہمیں بتائیں کہ کیا ”على ولی الله“ ان کے کلمے کا جزو ہے؟ اور کیا ان کا عقیدہ ہے کہ بغیر على ولی الله کلمہ ناقص اور ناقابل قبول رہتا ہے؟۔ اگر وہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھوٹنے کیلئے ہمارے سوال کا جواب اثبات میں دیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ آپ کون سے مجہد کی تقیید میں ہیں؟ اور کیا اس مجہد نے على ولی الله کو جزو کلمہ جزو اذان، جزو اقامۃ اور جزو نماز قرار دیا ہے؟ ہم پوری ذمہ داری سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام مجہدین نے اس بات پر اجماع کیا ہوا ہے کہ على ولی الله جزو کلمہ واذان واقامت و نمازوں میں ہے بلکہ اگر بقصدِ جزئیت یہ کلمہ پڑھ لیا جائے تو مندرجہ بالاتمام چزیں باطل ہو جاتی ہیں (معاذ اللہ)۔ ایسی صورت میں حشم صاحب کا فرض ہے کہ پہلے اپنا شیعہ ہونا ثابت کریں اس کے بعد

شیعوں کے معاملات میں دخل دینے کے بارے میں سوچیں۔

اب ہم ذرا اور آگے بڑھتے ہیں اور حشم صاحب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے ہم نبی اکرم کی ایک حدیث بیان کریں گے پھر اس کی روشنی میں مردح یونان کے کردار کا جائزہ لیں گے۔

تفسیر نور الثقلین۔ ج ۲۔ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳۔ رسول اللہ نے فرمایا۔

”جس شخص میں تین خصائص پائے جائیں وہ منافق ہے، اگرچہ وہ نماز روزے کی پابندی بھی کرتا ہوا اور اپنے آپ کو مسلم سمجھتا ہو۔ ا۔ جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ۳۔ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔“

جہاں تک امانت داری کا تعلق ہے تو کائنات کی سب سے بڑی امانت ولایتِ علیٰ ہے اور قرآن میں جہاں بھی امانت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس سے ولایتِ علیٰ ہی مراد لیا گیا ہے اللہذا جو شخص ولایت علیٰ کو چھپائے اور مولا علیٰ کے علاوہ دوسروں کو ولی عصر مانے وہی بدترین خائن اور منافق کہلانے گا اور اس کام کیلئے حشم صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا ہے۔ رہی جھوٹ بولنے کی بات تو اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو یقین آجائے گا کہ اپنی کتاب میں موصوف نے اس قدر جھوٹ بولا ہے جتنا شاید ہٹلر نے بھی نہ بولا ہوگا۔ لیکن ہمارا مقصد تیسری خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا ہے یعنی ”جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے“۔ اور اس کیلئے ہم ان کی کتاب سے ہی اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ جب منکرینِ ولایت سے ہماری کتابوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ اپنے مریدوں کے سوالات سے تنگ آگئے تو انہوں نے میدانِ علم سے فرار کرتے ہوئے دوسرا

طریقہ اختیار کیا اور یہ غلیظ پروپینڈا شروع کیا کہ با قرئنار زیدی امریکا، اسرائیل اور سعودی عرب کا ایجنسٹ ہے۔ بلکہ یہ تک سننے میں آیا کہ سپاہ صحابہ کا ایجنسٹ ہے۔ اس تمام شورش کا مقصد لوگوں کو ہماری طرف سے بذلن کرنا تھا تاکہ لوگ ہماری کتابوں کی طرف توجہ ہی نہ کریں لیکن الحمد للہ یہ سارا پروپینڈا آہستہ آہستہ خود ہی دم توڑ گیا اور متلاشیاں حق کی تعداد بجائے کم ہونے کے اور بھی بڑھتی چلی گئی۔ حشم صاحب کو بھی شاید یہ احساس تھا کہ اب اس خرافات پر لوگ کان نہیں دھریں گے لہذا انہوں نے ہماری سات پیشوں پر احسان فرماتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھا کہ ”میں ہرگز مصنیف کتاب کو کسی قسم کا ایجنسٹ نہیں کہوں گا“۔ یہ وعدہ تھا جو انہوں نے ابتدائے کتاب میں کیا تھا۔ لیکن چونکہ رسول صادق نے فرمادیا ہے اس لئے وعدہ و فائی کرنا حشم صاحب کے بس کی بات تھی ہی نہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۸۶، ۸۷ پر فرماتے ہیں۔ ”شارزیدی امریکا یا اسرائیل کا ایجنسٹ ہے“۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ شخص کون ہے اور ایسے شخص کے منہ لگانا کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں قلم اٹھانا پڑا کیونکہ اس شخص کی بے مہار گفتگو سے مومنین کے دلوں میں شکوہ و شبہات کا ایسا ختم بویا جاتا تاکہ دین و مذہب ان کیلئے ایک وبال بن جاتا کیونکہ شک وہ بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان کے ہر کام پر پانی پھر جاتا ہے۔ حشم صاحب نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ مومنین کو قرآن و حدیث، دونوں کی طرف سے بذلن اور مایوس کرنے کیلئے اپنی ساری طاقت صرف کرڈالی اور یہ موشگانی فرمائی کہ قرآن و حدیث، دونوں میں محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی، ناسخ بھی ہیں اور منسوخ بھی۔ اب ایک عام آدمی کو کیا پتہ کہ کون سی آیت یا حدیث محکم ہے اور کون سی متشابہ۔ کون سی ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔ ایسی صورت میں انسان کس طرح قرآن و حدیث پر عمل کر سکتا ہے؟ آپ اچھی

طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی سادہ لوح حشم کے اس جھانسے میں آگیا تو اس کیلئے قرآن بھی بیکار ہو گیا اور حدیث بھی بے معنی ہو گئی۔ اب اس کیلئے صرف ایک چیز باقی رہ گئی اور وہ ہے ملا۔ اب اس کا خدا بھی ملا، رسول بھی ملا اور امام بھی ملا۔ یہ شک دل میں ڈال کر اب حشم نے یہ دعویٰ کر دیا کہ کشف الحقائق میں ہم نے جتنی بھی قرآنی آیات، تفاسیر مخصوص میں اور احادیث مخصوص میں پیش کی ہیں وہ سب کی سب مقتابہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ”اس سلسلے کی کڑی کشف الحقائق جس کے مصنف سید باقر ثارز یدی ہیں، مصنف کتاب نے مقتابہ آیات و احادیث مخصوص میں کا سہارا لے کر لوگوں کو گمراہ اور ان کے اندر رفاد برپا کرنے میں بھر پور کردار ادا کیا ہے۔“ (اسرار الحقائق صفحہ ۱۳)۔ حالانکہ ہماری کتاب میں درج بہت سی آیات و احادیث حشم صاحب نے خود بھی نقل کی ہیں۔ حق ہے، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ہم اس کتاب میں انشاء اللہ ان امور پر بھر پور و شنی ڈالیں گے اور فریب باطل کا ایک ایک تاریخ جدا کر دیں گے۔ یہاں تو حشم صاحب سے صرف اتنا سوال ہے کہ یہ تو وہ بھی مانیں گے کہ اگر عقیدہ غلط ہو تو عمل کسی کام نہیں آتا بلکہ ایسی صورت میں ت عمل و بال بن جاتا ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”شیطان انسان کو چھانسے کیلئے بعض اوقات نیکیوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ جب انسان کو اس پر اعتماد ہو جاتا ہے تو وہ ایک ایسی برائی کرتا ہے جو تمام نیکیوں کو بر باد کر دیتی ہے۔“ (تفسیر نور الشقین۔ ج ۶۔ صفحہ ۲۸)۔ اور عقیدہ صحیح کرنے کیلئے علم ضروری ہے اور علم حاصل کرنے کیلئے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے کیونکہ مجہد تو اس موقع پر کام آنہیں سکتا۔ مجہد تو صرف فروع تک محدود ہے اور خود نظامِ اجتہاد کا پہلا اصول یہی ہے کہ اصولِ دین میں تقلید حرام ہے۔ اس صورت میں حشم صاحب فرمائیں کہ انسان اپنا عقیدہ کیسے ٹھیک کرے؟۔

عقیدے کیلئے تو علم چاہیے جیسا کہ تفسیر نور الشفیعین ج ۳ صفحہ ۳۶۳ پر امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”وہ عقیدہ اختیار نہ کرنا جس کا تمہیں علم نہ ہو۔“ اب ایسی صورت میں جبکہ انسان کیلئے بقول حشم صاحب، قرآن مجھی بیکار، حدیث مجھی بیکار اور بیان کردہ صورت حال میں مجہد مجھی بیکار تو انسان کہاں بھاگے گا اور کون سے دروازے پر دستک دے گا کیونکہ درعلم سے تو حشم صاحب نے لوگوں کو ہشادیا؟۔ یہ حشم صاحب نے لوگوں کو کہاں لا کر کھڑا کر دیا کہ پیچھے پہاڑ، آگے سمندر؟۔

دوسرا کام حشم صاحب نے یہ کیا کہ وہ کارنامہ سرانجام دے دیا جس کا متحمل شاید ڈھکو بھی نہ ہو سکے یعنی یہ کہ معاذ اللہ انہمہ طاہرین تمام کے تمام گناہوں میں بنتا تھے۔ یہ مقام لعنت کرنے اور تبرّا کرنے کا ہے لیکن ہم فی الحال اپنے قلم کوروکتے ہیں۔ اب فیصلہ مجھی ہو گا جب ہم معاملے کی تفصیلات پیش کریں گے۔

جوایدہ

ہمارا مقصد اُن خرافات کا جائزہ لینا ہے جو شم صاحب کی کتاب ”اسرار الحقائق“ کی زینت بنی ہوئی ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پہلے وہ معاملہ طے کر لیا جائے جس پر خود حشم صاحب اتفاق کر چکے ہیں تاکہ پہلے ہی مرحلے میں باطل کا اصل چہرہ بے نقاب ہو سکے۔ اپنی کتاب کے صفحے اپر آنحضرت فرماتے ہیں۔ ”جو باتیں نثار زیدی نے کتاب میں جمع کی ہیں وہ بالکل جھوٹ اور فریب سے پُر اور انہائی احتمانہ ہیں اور مذہب اہلیت کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی جامع الشرائع مجتهد یا فقیہ اہلیت قرآن و احادیث معصومینؐ کے خلاف فتویٰ نہیں دیتا بلکہ قرآن و احادیث کے عین مطابق دیتا ہے۔ قیاسی ذاتی رائے ہمارے تمام شیعہ مراجع و فقہاء کے قریب حرام ہے۔“ اسی طرح صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں۔ ” واضح رہے کہ ان توضیح المسائل میں آیات قرآنی اور احادیث معصومینؐ سے استنباط کردہ شرعی و فقہی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے، کسی کی ذاتی رائے یا قیاس نہیں ہوتی بلکہ یہ تمام فقہاء عظام و مجتهدین کرام ہر قسم کی ذاتی رائے اور قیاس کو حرام سمجھتے ہیں۔“

تجب ہوتا ہے اس شخص کی عقل اور ناقص معلومات پر جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تمام مجتهدین کے نزدیک ذاتی رائے حرام ہے جبکہ آپ کسی بھی لغت میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ لفظ ”فتاویٰ“ کا مطلب ہی ذاتی رائے ہے اور تمام توضیحات المسائل فتوؤں کا ہی مجموعہ ہوتا ہے اس لئے ان میں ذاتی رائے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ حشم صاحب

کے الفاظ میں ”حرام کے سوا کچھ نہیں ہوتا“۔ اور اس کا فیصلہ آپ آئندہ آنے والی عبارات پڑھ کر خود ہی کر لیں گے۔ اب ہم زمانہ مجہدین کے چند فتوے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور حشم صاحب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے دعوے کے مطابق ہمیں بتائیں کہ یہ فتوے قرآن کی کون سی آیت یا معلوم کی کون سی حدیث سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اور اگر نہ بتائیں تو ان کا فرض ہے کہ تمام مومنین سے معافی مانگیں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ کریں۔

آداب احرام

یہاں ہم پہلے قول معلوم پیش کرتے ہیں تاکہ آپ مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کے بعد مجہد کا فتویٰ نقل کریں گے تاکہ آپ کی آنکھیں روشن ہو سکیں۔

فرمانِ امام رضا۔ فروع کافی۔ کتاب الحج۔ باب الحج۔ حدیث ۵۔

”اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں اپنی زوجی سے مقاربت کرے تو اگر مرد نے عورت کو مجبور کیا ہے تو اس پر دو اونٹوں کی قربانی ہے اور اگر مجبور نہیں کیا ہے تو ایک اونٹ کی قربانی مرد پر ہے اور ایک کی عورت پر۔ اور وہ دونوں اس مقام پر جدا جدار کھے جائیں گے جہاں انہوں نے جماع کیا تھا یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچیں۔ پھر ان دونوں کو اگلے سال حج کرنا ضروری ہوگا.....۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ مسئلہ ایک ایسے شخص کے بارے میں ہے جس نے اپنی منکو貨 بیوی سے جماع کیا ہے نہ کہ کسی اور عورت سے اور نہ ہی اس نے کوئی خلاف فطرت کام کیا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں معلوم کا حکم یہ ہے کہ اول تو اسے ایک

اونٹ کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا دوسرے یہ کہ اس کا حج باطل ہو جائے گا اور اسے اگلے سال دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔ ہم پھر عرض کرتے ہیں اور اس بات کی طرف آپ کی توجہات مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ شریعت طاہرہ حالتِ احرام میں انسان کو اپنی منکوحہ عورت تک سے جماعت کی اجازت نہیں دیتی اور خلاف ورزی کی صورت میں اس پر کفارہ بھی ہے اور اس کا حج بھی باطل ہے اور اعادہ حج لازم ہے۔ اب آپ ذرا دیکھئے کہ مجہد آپ کو کیسی کھلی چھٹی دے رہا ہے اور بات بھی یہی ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی دوکان کیسے چلے اور اس قسم کی مراعات دینے میں ہر مجہد دوسرے مجہد دین پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کا مشاہدہ آپ آئندہ آنے والے فتاویٰ سے خود کر لیں گے۔

کتاب ”مناسک حج“، آغا خمینی۔ صفحہ ۹۷۔ مسئلہ ۱۔

”اگر کوئی شخص عمرہ تਮیث کے احرام کی حالت میں کسی عورت کے آگے یا پیچھے مارکی مرد کے ساتھ مسئلہ سے واقفیت کے باوجود جان بوجھ کر جماعت کرے تو بظاہر اس کا عمرہ باطل نہ ہو گا لیکن یہ کفارہ کا سبب ہو گا جس کو آئندہ بیان کیا جائے گا۔“

واضح رہے کہ اس مسئلے میں منکوحہ عورت کی قید نہیں لگائی گئی بلکہ ”کسی عورت“ کے الفاظ استعمال کر کے میدان کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ فطری فعل کی قید نہیں لگائی گئی بلکہ ”آگے یا پیچھے“ کہہ کر کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ تیسرے یہ کہ صرف عورت تک ہی مسئلے کو محدود نہیں رکھا گیا بلکہ ”کسی مرد“ کے الفاظ استعمال کر کے قومِ لوط کی سنت کو زندہ کیا گیا ہے۔ چوتھے یہ کہ ”مسئلہ سے واقفیت کے باوجود جان بوجھ کر“ کہہ کر بالکل ہی رخصت دے دی گئی ہے اور اس سے کچھ ایسا تاثر ملتا ہے جیسے انسان صرف حج کیلئے ہی نہیں بلکہ اس قسم کی عیاشیاں کرنے کیلئے ملہ جا سکتا ہے۔ بات صرف پسیے کی ہے۔ اگر اس کے پاس

ایک اونٹ خریدنے کیلئے پیسے موجود ہیں تو وہ کلی طور پر آزاد ہے۔ بلکہ مسئلہ سے ناواقفیت کی صورت میں تو ”پانچوں گھنی میں اور سرکڑھائی میں“، والی مثل صادق آتی ہے۔ جیسا کہ صفحہ ۸۱ مسئلہ ۱۰ میں فرماتے ہیں۔ ”کفارہ کا باعث ہونے والے مذکورہ امور میں سے کسی ایک کو اگر کوئی شخص نہ جانے یا غلط یا بھول کر انجام دے تو اس کے عمرہ اور حج کو کوئی نقصان نہیں پہنچ گا اور اس پر کفارہ بھی نہ ہو گا۔“

حشم صاحب جواب دیں کہ یہ فتویٰ قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث سے ماخوذ

ہے؟؟

تقبیہ مداراتی

تقبیہ مذهب شیعہ کا ایک اہم رکن ہے اور اس پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب انسان کیلئے اپنی جان، مال، عزت، آبرو بچانے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”الْتَّقِيَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يَضْطَرِّ إِلَيْهِ أَبْنَى آدَمَ فَقَدْ أَحَلَّ اللَّهُ أَلَّهُ“ (وسائل الشیعہ)۔ یعنی تقبیہ ہر اس شے میں ہے جس میں انسان مضطرب ہو۔

بیشک (ایسی صورت میں) اللہ نے اس کیلئے تقبیہ حلال کر دیا ہے۔ فرمان معصومؐ سے پتہ چلا کہ تقبیہ صرف اسی حالت میں حلال کیا گیا ہے جبکہ انسان کیلئے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اسے حالت اضطرار کہتے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقبیہ صرف اضطراری ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تقبیہ کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ لیکن خمینی صاحب اپنی کتاب ”رسالہ نوین“ میں بقلم خود تقبیہ کو دو اقسام میں تقسیم فرماتے ہیں۔ تقبیہ اضطراری اور تقبیہ مداراتی۔ تقبیہ اضطراری تو آپ جان چکے۔ اب تقبیہ مداراتی کا بیان خود خمینی صاحب

کی زبان سے سینئے۔ تقیہ اضطراری جس کا حکم معصوم نے دیا ہے اسے تو خمینی صاحب مانتے نہیں جیسا کہ انہوں نے رسالہ نوین کے صفحہ ۲۶۵ پر لکھا ہے کہ ”اب وہ شدید جاہلانہ تعصبات باقی نہیں رہے اور نہ شیعوں کیلئے کوئی ڈریا خوف وجود رکھتا ہے خصوصاً انقلاب ایران کے بعد تو اب تقیہ کیا معنی رکھتا ہے؟“ اب ان کے نزدیک صرف ان کا خود ساختہ تقیہ مداراتی باقی رہ گیا ہے جسے وہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”کہ آنچہ مطلوب است وحدت کلمہ مسلمین با محبت و دوستی و مدارا با مخالفین بدون اینکہ ترس و نیکی درکار باشد“۔ یعنی تقیہ مداراتی سے جو شے مطلوب ہے وہ ہے تمام مسلمانوں کا ایک کلمہ ہونا، مخالفین سے محبت، دوستی اور مدارات کے ساتھ بغیر اس کے کہ انسان کسی خوف اور ڈر کی وجہ سے ایسا کرے۔

آپ نے جان لیا کہ تقیہ اضطراری جس کا حکم شریعت نے دیا ہے وہ خمینی کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اب جو کچھ کیا جائے گا اس کا مقصد اپنی جان مال آبرو بچانا نہیں بلکہ مخالفین کو خوش کرنا ہے اور اسی تقیہ مداراتی کے تحت انہوں نے چند نتوے دانے ہیں جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ توے رسالہ نوین (خمینی) صفحہ ۲۶۵ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

۱۔ ”جماعت اہلسنت میں شرکت کیلئے انسان کو چاہیئے کہ برائے تقیہ (مداراتی) ان کے (یعنی اہلسنت کے) طریقے پر وضو کرے، ہاتھ باندھ کر نماز بڑھے، پیشانی فرش پر رکھے (جو مذہب شیعہ میں جائز نہیں ہے)۔ اس کی نماز صحیح ہے اور اسے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔“

۲۔ ”در مسجد الحرام و مسجد رسول اللہ مهرگز اشتتن و سجده کردن برآن حرام است و نماز اشکال

پیدامی کند۔

یعنی مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ میں سجده گاہ رکھنا اور اس پر سجده کرنا حرام ہے اور ایسی نماز مشکوک ہے۔

۳۔ ”گفتن اشہد ان علیاً ولی اللہ جزء اذان واقامہ نیست و درجایی کہ خلاف تقیہ است، گفتن آن حرام است و نباید بگوید۔“

یعنی اشہد ان علیاً ولی اللہ جزء اذان واقامت نہیں ہے اور ایسے مقام پر کہ جہاں یہ خلاف تقیہ ہے، اس کلے کا پڑھنا حرام ہے اور نہیں پڑھنا چاہیئے۔

حشم صاحب نے تینوں فتوے پڑھ لئے ہوں گے اور اب وہ ہمیں بتائیں کہ:-

۱۔ جبکہ اللہ نے صرف ایک تقیہ حلال کیا تھا اور وہ تھا تقیہ اضطراری جیسا کہ فرمانِ معصوم سے ظاہر ہے تو خمینی صاحب کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ مداخلت فی الدین کرتے ہوئے تقیہ کی ایک نئی قسم ایجاد کریں؟ اور اس ایجاد کا مأخذ قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث معصوم ہے؟

۲۔ جب اللہ نے وضو کا ایک طریقہ بتایا ہے جس کی سند قرآن میں موجود ہے اور جب نہ ہب شیعہ میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا سخت ممنوع ہے کیونکہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے، اور جب فرش یا قالین پر سجده کرنا شریعت محمد یہ میں جائز نہیں تو خمینی نے محض سینیوں کو خوش کرنے کیلئے ان تمام چیزوں کی اجازت کس اختیار کے تحت دی؟ اور ان خلاف معصوم فتوؤں کا مأخذ قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث معصوم ہے؟

۳۔ جبکہ خاک کر بلائی سجده گاہ پر سجده کرنے کو معصومین نے پسندیدہ ترین عمل قرار دیا ہے تو

اس حلال خدا کو خمینی نے کس اختیار کے تحت حرام کیا ہے اور حلال محمد، جو قیامت تک حلال ہے، کو حرام قرار دینے والے کی کیا سزا ہے؟۔ اور کیا اس مجرمانہ فتوے بازی کا کوئی جواز قرآن و حدیث میں موجود ہے؟

۳۔ خمینی صاحب دنیا کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے کلمہ طیبہ علی ولی اللہ کو محض اہلسنت کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے حرام قرار دیا ہے۔ حشم صاحب ایسے شخص کے لئے کیا سزا تجویز کرتے ہیں؟ اور کیا اب بھی وہ یہی اصرار کریں گے کہ مجتہد کا فتویٰ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوتا ہے؟

کھانے پینے کی چیزیں

یہاں ہم سیستانی صاحب کی توضیح ”جدید فقہی مسائل“ سے ان کے چند فتوے نقل کر رہے ہیں۔ اب یہ ذمہ داری حشم صاحب کی ہے کہ وہ ان فتووں کا کوئی رشتہ قرآن و حدیث سے جوڑ کر دکھائیں:-

۱۔ صفحہ ۱۲۶۔ مسئلہ ۱۵۲۔

”بغیر ذبح کا گوشت کھانا جائز ہے۔“

۲۔ صفحہ ۱۲۶۔ مسئلہ ۱۵۳۔

”کافر کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے۔“

۳۔ صفحہ ۲۸۔ مسئلہ ۲۲۔

”تراسیاء خریدتے وقت یہ معلوم کرنا ضروری نہیں کہ بیچنے والے کا مذہب کیا ہے اور وہ شے پاک سمجھی جائے گی،“ (یہ صورت میں کہ وہاں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہوں)

۳۔ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۵۶۔ مسئلہ ۱۵۹، ۱۶۰۔

(الف) ”سمندری جانوروں میں صرف مجھلی جائز ہے دوسرائٹ کے ساتھ“۔

(ب) ”جھینگا جائز ہے“۔

حشم صاحب یہ فرمائیں کہ کیا جھینگا مجھلی کی کوئی نسل ہے؟۔ یا ایک سمندری کیڑا ہے؟۔ اور اگر سمندری کیڑا ہے تو جائز کیسے ہو گیا؟۔ کیونکہ سمندری جانوروں میں تو صرف مجھلی حلال ہے اور باقی تمام جانور حرام۔ جن لوگوں کو مجھلی اور کیڑے میں فرق پتہ نہ ہو وہ حلال و حرام کے مسائل میں کیونکر دخل دے سکتے ہیں؟۔

عورتوں کے مسائل

یہ فتوے بھی ہم سیستانی صاحب کی کتاب ”جدید فقہی مسائل“ سے نقل کر رہے ہیں اور حشم صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ یہ فتوے قرآن و حدیث سے کس طرح مطابقت رکھتے ہیں؟۔

۱۔ صفحہ ۲۹۰۔ مسئلہ ۵۰۰۔

”عورت کیلئے اپنی شرمگاہ کو اتنا چھیڑنا جائز نہیں کہ اس کی لذت اونچ تک پہنچ جائے اور اسے انزال ہو جائے اور اگر اس سے اس کی لذت اونچ پر پہنچ جائے اور اس کا بہنے والا مواد خارج ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہو گا اور وضو کی جگہ اسی غسل پر اکتفا کر سکتی ہے“۔

۲۔ صفحہ ۲۹۲ مسئلہ ۵۱۶۔

”اگر کسی ملک میں نقاب پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو اس ملک میں نقاب پہننا بدنام لباس شمار ہو گا اور اس کا پہننا جائز نہیں ہو گا“۔

یہاں سوال صرف اتنا ہے کہ اگر کسی ملک میں عورت کیلئے پورا لباس پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو کیا پورا لباس بدنام لباس شمار ہو گا؟۔ اور کیا ایسی صورت میں عورت کا نیم برہنہ لباس پہن کر پھرنا جائز ہو جائے گا؟

۳۔ صفحہ ۲۹۔ مسئلہ ۵۲۔

”عورت کے تخم (Ovum) کی خرید و فروخت جائز ہے“

حشم صاحب کو مبارک ہو۔ اب وہ یہ منافع بخش کاروبار کر سکتے ہیں کیونکہ مرجع کی اجازت مل چکی ہے۔

۴۔ صفحہ ۳۰۶۔ مسئلہ ۵۳۔

”عورت اپنے شوہر کو خوشحال کرنے اور اس کے جذبات کو ابھارنے کی غرض سے اس کے سامنے رقص کر سکتی ہے“

یہ نتوی پڑھ کر فوراً یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ رقص کرنے کیلئے تو یہ ضروری ہے کہ عورت رقص کرنا جانتی ہو کیونکہ اگر کبھی شوہر فرمائش کر بیٹھا تو وہ بے چاری کیا کرے گی؟۔ لیکن خدا بھلا کرے سیستانی صاحب کا کہ انہوں نے یہ مسئلہ بھی فوراً ہی حل کر دیا۔

۵۔ صفحہ ۳۱۱۔ مسئلہ ۵۲۶۔

”اگر مرجعِ تقليد اجازت دے تو لڑکیوں کیلئے رقص سیکھنا جائز ہے“

سبحان اللہ! اب دین کی صورت یہ بن گئی کہ گھر گھر میں ڈھولک بجا کرے گی اور گھنگروؤں کی آوازیں آیا کریں گی۔ اور چونکہ یہ ایک دینی مسئلہ ہے اس لئے یہ کام بھی مولوی ہی کو کرنا چاہیئے کہ وہ مقلد دین کی لڑکیوں کو ناچنا سکھایا کرے۔ دراصل سیستانی صاحب نے یہ کتاب یورپ اور امریکا کے رہنے والوں کیلئے لکھی ہے کیونکہ شاید ان کا گمان یہ ہے ہندو پاک

والوں کیلئے ایک الگ شریعت ہے اور مغربی ممالک میں رہنے والوں کیلئے دوسری شریعت
حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ یورپ والوں کو اس قسم کی عیاشیاں فراہم کرنا مولویوں کی
مجبوڑی ہے کیونکہ خمس کا بیشتر حصہ وہیں سے آتا ہے۔ اب یا تو حشم صاحب اپنے دعوے کے
مطابق ان فتوؤں کو قرآن و حدیث سے ثابت کریں اور اگر نہ کرسکیں، اور انشاء اللہ قیامت
تک نہیں کرسکیں گے، تو ہم امام جعفر صادقؑ کا ایک فرمان پیش کرتے ہیں، اسے پڑھ لیں
اور سوچیں کہ وہ کن لوگوں کی وکالت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

معانی الاخبار۔ صفحہ ۲۲۶۔ حدیث ۱۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”جو علم کو کمانے کا ذریعہ بنائے گا وہ محتاج ہو جائے گا..... علم کو
ذریعہ معاش بنانے والے فقط وہ لوگ ہیں جو بغیر علم اور بغیر اللہ کی جانب سے کسی ہدایت
کے حقوق کو باطل کرنے کی غرض سے، دنیا کے سامان کے لامچ میں فتویٰ دیتے ہیں۔“

۶۔ صفحہ ۳۸۵۔ مسئلہ ۲۵۱۔

”مرد خواستگاری سے پہلے اس عورت کے مقاماتِ حسن کو دیکھ سکتا ہے۔ ایسی خاتون کا
چہرہ، اس کے بال، ہتھیلیاں، پنڈلیاں، کلائیاں اور اس قسم کے مقاماتِ حسن کو دیکھنا
جانز ہے۔“

یہ ظاہر ہے کہ لڑکیوں کے بہت سے رشتے آیا کرتے ہیں۔ اب اگر کسی بھائی کا کلیجہ اتنا بڑا
ہو کہ وہ ہر رشتہ دینے والے مرد کو اپنی بیٹی یا بہن کے مقاماتِ حسن دکھایا کرے تو اس کے
حوالے کی میں داد دیتا ہوں لیکن پھر ایسا ہوا کرے گا کہ لوگ رشتہ مانگنے کے بہانے صرف
مقاماتِ حسن دیکھنے کیلئے آیا کریں گے۔ اللہ مومنین کو اس تباہی سے محفوظ رکھے اور محفوظ
رہنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مولویوں سے جان چھڑائی جائے اور تقلید کو ردی کی ٹوکری میں

پھینک دیا جائے ورنہ یہ لوگ تو مونین کو بے آبرو کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ ہم چاہیں تو مجہدین کے ایسے لاتعداد فتوے نقل کر سکتے ہیں جن کو پڑھ کر انسانیت کے ماتھے پر پسینہ آجائے۔ لیکن یہ کتاب لکھنے سے ایک مقصد ہمارے سامنے ہے اور ہم نے خود کو اسی حد تک محدود کیا ہوا ہے کیونکہ اس بات پر ہمارا یقین ہے کہ غیرت مند کیلئے ایک بات ہی کافی ہوتی ہے، اسے پوری کتنا کہانی سنانی نہیں پڑا کرتی۔ بہر حال اس موقع پر آپ فرمان معصوم بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ آدابِ زندگی واضح ہو جائیں۔

عیون اخبار الرضا۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۲۱۱۔

امام رضا نے فرمایا۔ ”بالوں کے علاوہ کسی بھی مرد (چاہے وہ رشتہ دینے والا ہو یا کوئی اور ہو) کو عورت کے اُن اعضاء و جوارح کو دیکھنا حرام ہے جو تحریک شہوت کا باعث بن سکیں۔“

۷۔ صفحہ ۲۷۔ مسئلہ ۳۶۲۔

”جو ان مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ محبت اور پیار کے طور پر اپنی جوان بہن، خالہ، پھوپی یا ان کی چھوٹی بیٹیوں کو بوسہ دئے۔“

اس فتوے کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنا تو بہر حال حشم صاحب کی ذمہ داری ہے لیکن ہم اتمامِ ججت کیلئے اس مقام پر تین احادیث موصو میں بیان کر رہے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مزاجِ شریعت کیا ہے۔

(الف) فرمان امیر المؤمنین۔ من لا تحضره الفقيه ح ۳۔ صفحہ ۲۵۶۔ حدیث ۳۵۰۵۔

”عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ سلاٹے جبکہ لڑکی چھ سال کی ہو چکی ہو۔“

(ب)۔ فرمان امام جعفر صادقؑ۔ من لا تحضره الفقيه ج ۳۔ صفحہ ۲۵۶۔ حدیث ۳۵۰۶۔
”کسی غیر مرد کیلئے جائز نہیں کہ وہ چھ سال کی بچی کو اپنی گود میں بٹھائے اگرچہ وہ اس کی
پروردش کر رہا ہو۔“۔

(ج)۔ فرمان امام جعفر صادقؑ۔ من لا تحضره الفقيه ج ۳۔ صفحہ ۲۵۷۔ حدیث ۳۵۱۰۔
”جب لڑکی چھ سال کی ہو جائے تو کوئی لڑکا اس کا بوسہ نہ لے۔ اور جب لڑکا سات
سال سے اوپر ہو جائے تو کوئی عورت اس کا بوسہ نہ لے۔“۔

۸۔ مختصر الاحکام (حافظ بشیر حسین بخاری) صفحہ ۱۹۶۔

”اُس سنی عورت سے نکاح جائز ہے جس کو سنی طریقے پر طلاق ہوئی ہو۔“
اس کے برخلاف من لا تحضره الفقيه ج ۳ صفحہ ۲۹۹ حدیث ۲۷۵۱ میں امام جعفر صادقؑ
فرماتے ہیں۔ ”ایک ہی نشست میں اگر تین طلاقیں دی جائیں (جیسا کہ اہلسنت دیتے
ہیں) تو طلاق باطل ہے اور وہ عورت شوہردار تصور کی جائے گی۔“
اب اگر کوئی شخص بشیر بخاری کے فتوے پر عمل کرے تو اس پر پہلی فرد جرم تو یہ عائد ہوگی کہ اس
نے ایک شوہردار عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس عورت سے جتنی اولادیں ہوں گی وہ سب کی
سبحرانی ہوں گی اور اس تمام کا وبال اُس مرد پر اور بشیر بخاری پر ہوگا اور حشم صاحب اس جرم
میں برابر کے شریک ہوں گے کیونکہ کسی کام پر راضی ہونے والا اس کام کے کرنے والا جیسا
ہوتا ہے۔

۹۔ تو ضیح خوئی صفحہ ۲۳۶ مسئلہ ۱، ۲۲۷، تو ضیح سیستانی صفحہ ۳۳۶ مسئلہ ۱، ۲۲۷، تو ضیح گلپا یگانی
صفحہ ۲۹۶ مسئلہ ۰، ۲۲۷، تو ضیح خمینی صفحہ ۳۷۳ مسئلہ ۰۔ ۲۲۵۸۔

ان چاروں نے متفقہ طور پر ایک ہی فتویٰ دیا ہے۔

”اگر کوئی شخص ماہ رمضان المبارک کے روزوں میں یا عورت کے حاضر ہونے کی حالت میں اس سے مجامعت کرے تو وہ گنہگار ہے لیکن اگر اس جماع کے نتیجے میں ان کے ہاں کوئی بچہ ہوا تو وہ حلال زادہ ہے۔“

حضرت ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ ”یا علیؐ تجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر حلال زادہ اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر حرام زادہ“۔ اب جبکہ یہ چاروں مجتہدین حالت حیض میں حاملہ ہونے والی عورت سے پیدا ہونے والے بچے کے حلال زادہ ہونے کا فتویٰ صادر فرمائے ہیں تو حدیث رسولؐ کی روشنی میں وہ بچہ، حلال زادہ ہونے کے ناتے، علیؐ کا دشمن ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ علیؐ کو دشمن رکھنے کیلئے حرامی ہونا لازمی ہے۔ اب ہم معمومینؐ سے پوچھتے ہیں کہ حیض سے پیدا ہونے والا علیؐ کا دوست ہوتا ہے یا دشمن؟۔ اگر انہوں نے کہدیا کہ دوست ہو گا تو ہم چاروں مجتہدوں کی بات دل و جان سے تسلیم کر لیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے فرمادیا کہ ایسا بچہ لازماً علیؐ کا دشمن ہو گا تو ایسی صورت میں ہم حشم صاحب کو پکڑیں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ حرام زادے کو حلال زادہ بنانے کا کون سا نسخان کے مرشدوں کے پاس ہے؟۔

الخصال شیخ صدوق

(الف) ”جناب امیر المؤمنین سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص میری عترت سے محبت نہ رکھے تو وہ یا تو منافق ہے یا زنازادہ یا حالت حیض میں اس کی ماں حاملہ ہوئی ہے۔“

(ب) ”امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہم لوگوں سے بعض وہی رکھے گا جو حرام کا پیدا ہویا اس کی ماں حالت حیض میں حاملہ ہوئی ہو۔“

(ج) - جابر ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ابو یوب انصاری نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی اولاد کے سامنے حضرت علیؓ کو پیش کرو۔ ان میں سے جو علیؓ سے محبت کرنے لگے وہ تم میں سے ہے اور جو علیؓ کی محبت اختیار نہ کرے تو اس کی ماں سے پوچھو کہ یہ بچہ تو کہاں سے لائی ہے؟ - اس لئے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنائے ہے، آپؐ حضرت علیؓ سے فرمائے تھے کہ تم سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور وہی بعض رکھے گا جو منافق یا ولد انزوا ہو گا یا اس کی ماں وقت حاملہ ہوئی تھی جب وہ حالت حیض میں تھی۔

طریقہ وضو

قصص العلماء صفحہ ۳۲۵، ۳۲۶۔

”سید مرتضیؑ کے بعض فتوے عجیب و غریب ہیں۔ جیسا وہ کہتے ہیں کہ مردوں کیلئے مغرب و عشاء کی پہلی دور کعتوں اور نماز فجر میں جہر (بآواز بلند) پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز یہ کہ وہ غسلِ مس میت کو واجب نہیں صرف مستحب سمجھتے تھے۔ دیگر یہ کہ اخبار احادیث کو حرام سمجھتے تھے اور اس پر علماء کے اجماع کا دعویٰ کرتے تھے۔ نیز وضو میں ہاتھ دھوتے وقت وہ یہ جائز سمجھتے تھے کہ انگلیوں کے سرے سے ابتداء کر کے کہنی تک بانی پہنچایا جائے۔ (جیسے ستیٰ کرتے ہیں)۔

ہم نے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند فتاویٰ کا ذکر کیا ہے جو صاحبانِ عقل و فہم کیلئے کافی ہوگا۔ ورنہ اس موضوع پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے جیسا کہ ہم نے اپنی

کتاب ”کشف التھاد“ میں مجتہدین کے ۱۲۲۱ اختلافی فتوے جمع کئے ہیں۔ حشم صاحب کیلئے اگر ممکن ہو تو ان تمام فتاویٰ کو قرآن و حدیث کے مطابق کر کے دکھائیں جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا تھا اور نہ ہم سے ایک حدیث سن لیں جو انہوں نے خود اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر نقل کی ہے۔ ”یوس بن عبد الرحمن سے مردی ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ جس نے اپنے نبیؐ کے اہلبیتؐ کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہوا اور جس نے کتاب خدا اور قول نبیؐ کو ترک کیا وہ کافر ہوا۔“

وسواس الْخَنَّاس

یہ وہ اہم موضوع ہے جس نے ہمیں لکھنے کی تحریص دلائی کیونکہ اگر اس موقعے پر ہم خاموش رہتے تو ایک خلق کثیر کے گمراہ ہو جانے کا اندازہ تھا۔ جب قرآن و حدیث کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو گمراہی اور کفر کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ بات یاد رکھیئے کہ شیطانِ رجیم آپ کا ہاتھ پکڑ کر کوئی گناہ نہیں کرواتا بلکہ اس کا کام فقط اتنا ہے کہ آپ کے دل میں وسوسہ ڈال دے اور ہر چیز کو آپ کیلئے مشتبہ بنادے۔ یہی اس کی کامیابی ہے اور یہ کام وہ تنہ نہیں کرتا بلکہ اس کی پوری فوج اس کام میں اس کی مددگار ہوتی ہے اور اس فوج میں جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ حشم صاحب نے بھی یعنیہ یہی کام کیا ہے جس کا اندازہ اہل ایمان کو ہو جانا چاہیئے۔

یہ ظاہر ہے کہ نبی گریم ہمارے زمانے میں معمouth بر سالت نہیں ہوئے، نہ ہم نے کسی امام کا زمانہ دیکھا۔ ہمارے لئے رشد و ہدایت کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے دو چیزوں کے، قرآن اور حدیث۔ اگر ان دو چیزوں میں اشتباہ ڈال دیا جائے تو ہم خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں اور کمل طور پر ملا کے ہاتھوں گروی ہو جاتے ہیں۔ انسان کو ماضی سے سبق سیکھنا چاہیئے تاکہ مستقبل کی راہ واضح ہو جائے۔ پچھلی امتوں میں کیا ہوا تھا؟۔ جیسے ہی کوئی نبی اس دنیا سے جاتا، فوراً اس کی امت کے نام نہاد علماء دین و مذہب کی بائیس اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ کتاب میں تحریف کر دیتے، دین کی صوت بگاڑ دیتے اور پوری قوم کا مرجع بن کر بیٹھ جاتے۔ اب قوم کا کوئی تعلق نہ دین سے باقی رہتا نہ اپنے نبی سے بلکہ وہ کاملًا اپنے مرجع کے حصар میں آ جاتے جو ساری زندی ان کی دنیا و آخرت سے کھلیتا اور ان سے جی بھر کے دولت بٹورتا۔

یہ کوئی میری اپنی مضمون آرائی نہیں ہے بلکہ خود قرآن نے سورہ توبہ میں اس کی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ آیت ۳۱ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا رکھا تھا“۔ امام جعفر صادقؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ”نصاریٰ کو ان کے علماء و رہبان نے اپنے نفسوں کی پرستش کی دعوت نہیں دی تھی اور اگر وہ ایسی دعوت دیتے تو وہ قبول نہ کرتے۔ لیکن ان کے علماء نے یہ کیا کہ حلال کو حرام بتایا اور حرام کو حلال۔ پس انہوں نے اپنے علماء کی تقلید کی۔ اس طرح لاشعوری طور پر ان کی عبادت کی“۔ یہ سب کچھ گزشتہ امتوں میں ہوتا چلا آیا تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میری امت گزشتہ امتوں کے قدم بقدم چلے گی۔ یہاں تک کہ اگر پچھلی امتوں کا کوئی شخص گوہ کے سوراخ میں گھسنا ہوگا تو میری امت میں بھی ضرور ایسا ہوگا۔“ اب اگر آپ کو مجھ سے کوئی ضد ہے یا کوئی ذاتی پر خاش ہے تو اس کی بات تو الگ ہے لیکن اگر آپ بُرے بھلے میں تمیز کر سکتے ہیں اور حق کو پہچان سکتے ہیں تو اپنے ایمان سے بتائیے کہ یہی کچھ مجتہدین کر رہے ہیں یا نہیں؟۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی بہت سی مثالیں گزشتہ باب میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ تو کیا آپ بھی اپنا نام شرک فی العبادت کرنے والوں کی فہرست میں لکھوانا چاہتے ہیں؟۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ایمان و عمل دونوں کیلئے ہمارا مکمل انحصار دو چیزوں پر ہے، قرآن اور حدیث۔ اب اگر ان دونوں سے ہمارا ناتاثوٹ جائے تو ہمارا حشر کیا ہوگا؟۔ سوال و جواب ہم سے انفرادی طور پر ہونا ہے۔ کیا قبر میں اور میدانِ حشر میں مجتہد آپ کی مدد کو آئے گا؟۔ اور کیا آپ یہ کہکر بری الذمہ ہو جائیں گے کہ میں تو اپنے مجتہد کی تقلید کر رہا تھا، یہ سارے سوال اسی سے پوچھو؟۔ خدا کیلئے لمح بھر کیلئے غور فرمالیں کہ آپ کے ساتھ کیا کھیل

کھیلا جا رہا ہے اور آپ کی خون پسینے کی کمائی سے کس طرح تجویریاں بھری جا رہی ہیں۔ اللہ نے ہم پر تین اطاعتیں لازم کی ہیں، ان کے علاوہ چوتھی کوئی نہیں۔ اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت، اللہ کے احکام ہمیں قرآن سے ملتے ہیں اور رسول اولی الامر کے احکام ہمیں حدیث سے ملتے ہیں۔ لہذا اطاعت کرنے کیلئے ہماری انفرادی اور ذاتی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان احکام کو پہچانیں۔

اس موقعے پر خناس کا کام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ وہ ان دو چیزوں یعنی قرآن و حدیث کے بارے میں آپ کے دل میں اشتباہ ڈال دے تاکہ آپ ان دونوں کی طرف رجوع نہ کر سکیں اور ایک تیسری چیز یعنی مجتہد کی بارگاہ میں جا کر سجدہ ریز ہو جائیں۔ حشم صاحب نے ان دونوں چیزوں کا توڑا ایجاد کر کے یہی کام کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی، ناسخ بھی ہیں اور منسوخ بھی۔ تو پھر ہر شخص کس طرح پہچان سکتا ہے کہ کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ؟۔ کون سی ناسخ ہے اور کون سی منسوخ؟۔ حدیث کے معاملے میں انہوں نے علم الرجال کی چنگ لگادی کہ انسان جب تک رجال سے واقف نہ ہوا س وقت تک وہ حدیث پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ جب حشم صاحب لوگوں کو یہاں تک لے آئے تو اب ان کیلئے یہ کہنا آسان ہو گیا کہ ان چیزوں کو صرف مجتہد ہی جانتا ہے اس لئے آپ اپنی دنیا و آخرت مجتہد کے سپرد کر دیں اور خود آرام سے بیٹھ جائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس بارے میں مختصر مگر ضروری گفتگو کریں تاکہ یہ پھانس مومنین کے دلوں سے نکلے۔

مکالم اور متشابہ

مجتهد بڑے بڑے دعوے کرتا ہے لیکن اسے ان دو الفاظ کے معنی و مفہوم تک کا علم نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ اسے چھپاتا ہے اور لوگوں کو غلط معنی بتا کر انہیں الجھاتا ہے۔ اس کے نزدیک مکالم آیات وہ ہیں جو بالکل واضح اور فوراً سمجھ میں آنے والی ہوں اور متشابہ وہ ہیں جن کے کئی کئی معنی نکلتے ہوں اور مفہوم واضح نہ ہوتا ہو۔ یہاں ہم عرض کر دیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے صرف ایک ہی معنی ہو بلکہ معصوم نے فرمایا کہ ہر آیت کے ستر ظاہر اور ستر باطن ہیں۔ یعنی ستر ظاہری معنی اور ستر باطنی معنی۔ اس اعتبار سے ایک آیت بھی مکالم نہ ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ جہاں تک سمجھ میں آنے کا تعلق ہے تو ہر شخص کی سمجھ بوجھ الگ ہوتی ہے۔ کسی کی سمجھ میں بات جلدی آ جاتی ہے کسی کی سمجھ میں دیر سے آتی ہے۔ اب یہ تو کوئی معیار نہ ہوا کہ جو آیت یا حدیث مجتهد کی سمجھ میں آجائے وہ مکالم ہے اور جونہ آجائے وہ متشابہ۔ تیسرا یہ کہ حشم صاحب نے خود اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر متشابہ کی تعریف یوں لکھی ہے۔ ”متشابہ سے مراد وہ کلام ہے جس کی تاویل و تفسیر صرف اللہ اور راسخون فی العلم یعنی اہلیت رسول جانتے ہیں“۔ اس طرح متشابہ آیات کا تعلق ان کی تاویل و تفسیر سے ہے اور مذہب شیعہ کا اصول یہ ہے کہ قرآن کی تاویل و تفسیر کرنا صرف اہلیت کا حق ہے اور تفسیر بالرائے کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ اس طرح لوگوں کے لئے پورا قرآن متشابہ ہو گیا کیونکہ وہ تو قرآن کی کسی ایک آیت کی بھی تاویل و تفسیر نہیں کر سکتے اور ہر آیت کے معاملے میں اہلیت کے محتاج ہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر مجتهد، جیسا کہ وہ دعویٰ کرتا ہے، واقعی مکالمات و متشابہات قرآن سے واقف ہے

تو اُسے تو بہت پہلے محاکم اور متشابہ آیات کی جدا جادا فہرستیں بنانے کا پیش کردیجی چاہئیں
تھیں تاکہ کوئی الجھن بھی باقی نہ رہتی اور ہر آیت کے بارے میں مجتهد کی طرف بھاگنا
نہ پڑتا۔ پانچویں یہ کہ اگر واقعی مجتهدین حکمات و متشابهات سے واقف ہوتے تو ان
کے فتوؤں میں اختلاف نہ ہوتا اور سید مرتضی آیہ وضو سے استنباط کر کے یہ فتوی نہ
دیتے کہ وضوئی طریقے سے کرنا چاہیئے۔

متشابہ کی تعریف

مجتهد ہمیں متشابہ کے معنی ”گول مول“، ”الجھا ہوا“، ”ذو معنی“، وغیرہ بتاتا ہے جبکہ قرآن نے اس کے کچھ اور معنی بتائے ہیں جیسا کہ سورہ زمر ۲۳ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”اللہ نَزَّلَ
احسن الحديث كتبًا متشابهًا مثانيٍ“۔ (اللہ نے احسن الحدیث نازل کی
 جو ملتی جلتی دھرائی جانے والی کتاب ہے) یہاں تمام شیعہ سنی متربیین نے ”متشابہ“ کا ترجمہ ”ملتی جلتی“ کیا ہے۔ پھر دوسرے مقامات پر اس کا ترجمہ ”گول مول۔ الجھا ہوا اور ذو معنی“ کیسے ہو جائے گا؟۔ یہ بے اصل ترجمہ قرآن پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔
 بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں لیکن معنی جدا جدا رکھتی ہیں۔ مثلاً ارشادِ قدرت ہے۔ ”**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْأَنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ**“۔ یعنی میں نے نہیں خلق کیا جاؤں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں۔ مولوی کے سامنے جب لفظ ”عبادت“ بولا جائے گا تو وہ فوراً نماز روزے کی طرف اشارہ کرے گا لیکن تفسیر فرات میں معصوم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں ”لیعبدون“ سے مراد ”لیعرفون“ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے

نزو دیکھی حقیقتِ عبادت معرفتِ امام ہے۔ یہ آیت تفسیرِ مخصوص سے پہلے ہمارے لئے
متناہی تھی لیکن تفسیرِ مخصوص کے بعد ہمارے لئے مکمل ہو گئی۔ گول مول نہ پہلے تھی نہ بعد میں
ہوئی۔ مقصدِ محض لفظِ عبادت کا مفہوم سمجھانا تھا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ یہاں ”لیئر فون“ ہی
استعمال کر لیتا تو لفظ ”عبادت“ کی حقیقت نہ کھلتی۔ اسی لئے جناب امیر المؤمنین نے
فرمایا۔ ”اللہ کی رحمت و سبیع ہے اور وہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے۔ اسے علم تھا کہ باطل پرست
افراد اس کی کتاب کو غلط معنی پہنانہ کیسی گے اسی لئے اس نے تین قسم کی آیات نازل کی ہیں۔
پہلی قسم کی آیات وہ ہیں جسے صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کا ذہن صاف ہوا اور خدا نے
اسلام کیلئے ان کے سینے کو کشادہ کیا ہو۔ اور آیات کی تیسرا قسم ان آیات پر منی ہیں جن کا
حقیقی مطلب و مفہوم صرف اللہ اور انبياء اور راسخون في العلم کے پاس ہے۔ اللہ نے آیات
متناہیات کو نازل فرمائے کہ باطل پرستوں کو آل محمدؐ کے دروازے پر آنے کیلئے مجبور کر دیا۔
(دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن کا عوام سے کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً حروفِ مقطعات
وغیرہ)۔ (تفسیر نور الشقلین۔ جلد دوم صفحہ ۲۳)

محکم و متناہی کی حقیقت

محکم و متناہی کے معنی کا تعین مجتہدین نے اپنی رائے سے کیا ہے جو کسی بھی سمجھدار انسان کیلئے
قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہم اس کے معنی جاننے کیلئے وارثانِ قرآن کی طرف رجوع
کرتے ہیں۔

تفسیر نور الشقلین ج ۲ صفحہ ۲۳۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”آیاتِ محکمات جو کہ اصل کتاب ہیں وہ امیر المؤمنین اور

ائمهٗ پدی ہیں،۔

بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ نے تنہا قرآن کو چھوڑا ہوتا تو ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق مکرم و متشابہ کا تعین کر لیا کرتا (جیسا کہ حضرات مجتهدین کر رہے ہیں کیونکہ یہ خود کو اہلیت سے بے نیاز سمجھتے ہیں) لیکن آنحضرت نے قرآن کے ساتھ ساتھ اہلیت کو بھی چھوڑا اور ان دونوں سے تمسک کو لازم قرار دیا۔ لہذا اگر کوئی تنہا قرآن سے ہدایت لینا چاہے گا تو اس کے لئے پورا قرآن تشابہ ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اہلسنت کے بڑے بڑے عالم قرآن کو سمجھ چکے ہوتے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بڑی بڑی تفاسیر لکھ دینے کے باوجود قرآن کا ایک حرف بھی ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن جو شخص قرآن اور اہلیت دونوں سے تمسک کرے گا اور قرآن کے معنی اقوالِ معصومین سے اخذ کرے گا اس کیلئے پورا قرآن مکرم بن جائے گا اور یہی مطلب ہے امام رضاؑ کے اس فرمان کا کہ ”جو قرآن کے تشابہ کو مکرم کی طرف پہنچائے گا اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گی“۔ یعنی جس آیت کی تفسیر ائمہ طاہرینؑ بیان فرمادیں وہی مکرم ہے اور جس آیت کو اہلیت سے جدا کر کے سوچا جائے گا وہی تشابہ آیت کہلائے گی کیونکہ ام الکتاب اہلیت ہیں نہ کہ مجتهد۔ اب اگر حشم صاحب پھرشک ڈالیں کہ جس حدیثِ معصوم سے تفسیر قرآن اخذ کی جا رہی ہے، کیا پتہ کہ وہ خود بھی مکرم ہے تشابہ؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الجھن خود حشم صاحب ہی کو مبارک ہو۔ الحمد للہ مومن کے علم کی بنیاد شک پر نہیں بلکہ یقین پر ہوتی ہے اور وہ یقین حاصل کرنے کیلئے طن و قیاس کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اپنے آقاوں پر اعتماد کرتا ہے۔ اس صورتحال کے بارے میں امام رضاؑ فرماتے ہیں۔ ”عقل خدا کی طرف سے جلت ہے۔ اس کے ذریعے سے

انسان خدا پر سچ بولنے والے کو پہچان کر اس کی تصدیق کر سکتا ہے اور خدا پر جھوٹ باندھنے والوں کو پہچان کر اس کی تکذیب کر سکتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین ج ۱ صفحہ ۸۹)۔ یہ ایک ایسا سہری اصول ہے جس پر عمل کرنے سے انسان تمام وساوس شیطانی سے محفوظ رہتا ہے اور قرآن و حدیث کی تفہیم میں ہر جعل سازی سے آزاد ہو جاتا ہے چاہے وہ مجتہدین کے پیدا کئے گئے شکوک و شبہات ہوں یا ان کا خود ساختہ علم الرجال۔ مجتہدین نے لوگوں کو شک کا اس قدر عادی بنادیا ہے کہ انہوں نے اپنے مالکوں پر اعتماد کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ کے پھندوں میں کبھی نہ پھنستے۔ یہ جان لینا چاہیے کہ مومن بھی جاہل نہیں ہو سکتا جیسا کہ مجتہدین نے فرض کر رکھا ہے کیونکہ حضرت امیر المؤمنین فرمائچے ہیں کہ ”میں نے اپنے شیعوں کو قرآن پڑھایا ہے۔“ (القطرة من بخارج ۱۔ صفحہ ۳۵۰)۔ لہذا جس کا معلم خود قرآن ناطق ہو وہ بھلا جاہل کیونکر ہو سکتا ہے؟۔ بات صرف اتنی ہے کہ سبق یاد رکھنے کیلئے طالب علم کا اپنے استاد کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہوتا ہے ورنہ اکثر وہ پڑھا ہوا سبق بھی بھول جایا کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حشم صاحب نے محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ کا شوشهہ صرف اسلئے چھوڑا ہے تاکہ مجتہد کو یہ اختیار مل جائے کہ وہ جس آیت یا حدیث کو جاہے محکم اور ناسخ قرار دے اور جس کو جاہے متشابہ اور منسوخ قرار دے، ورنہ اس کے پاس کوئی ایسی کسوٹی نہیں ہے جس کی مدد سے وہ آیات و احادیث میں تمیز کر سکے اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا معیار ہے تو اس نے اس کا اعلان کیوں نہیں کیا؟۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مجتہدوں کے نزدیک محکم و متشابہ کی تشخیص جدا جدابے۔ حشم صاحب ہم سے محکم و متشابہ

کی کیا بات کرتے ہیں جبکہ حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے متفقہ طور پر قرآن کی محاکم ترین آیت اُس کو فرار دیا ہے جس میں وضو کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج تک مسلمان کسی ایک طریقہ وضو پر متفق نہیں ہو سکے۔ خود شیعوں میں اس بارے میں بے پناہ اختلافات موجود ہیں اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سید مرتضی (جو تمام مجتهدین کے پیر و مرشد ہیں) نے وہی طریقہ وضو تجویز کیا ہے جو اہلسنت کا ہے اور اس میں کسی تقیّہ کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ ان کا مستقل فتویٰ ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب قرآن کی محاکم ترین آیت کا یہ حشر ہوا ہے تو باقی محاکمات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟۔ بات وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس بحث سے ان کا واحد مقصد معاملات دین میں اپنی رائے کو داخل کرنا ہے تاکہ یہ دین و مذہب کو اپنی انگلیوں پر نچاتے رہیں جبکہ قرآن ہو یا حدیث، دونوں میں ہی اپنی رائے کو خل دینا سنگین ترین جرم ہے۔ ہم اس مقام پر دوار شاداتِ نبوی ٹھیک کر رہے ہیں جو ہماری بات پر دلیل ہیں:-
۱۔ ”جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی تو اس نے خدا پر افتراء پردازی کی (اللہ پر بہتان لگایا)۔“
۲۔ ”وہ مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا جس نے اپنے رائے کے مطابق میرے کلام کی تفسیر کی،“

(تفسیر نور النقلین ج ۲ صفحہ ۳۰)

ناسخ و منسوخ

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت بعض اوقات کوئی حکم دیتا ہے پھر کچھ عرصے بعد اس حکم کی جگہ دوسرا حکم نازل فرماتا ہے۔ بعد والے حکم کو ناسخ اور پہلے والے حکم کو منسوخ کہتے ہیں۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ ”منسوخ آیات کا تعلق متشابہات سے ہے اور آیاتِ محکمات ناسخ ہیں۔“ (تفسیر نور الشفیعین ج ۲ صفحہ ۲۷) سورہ آل عمران کے میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی۔ کچھ اس میں محکم آیتیں ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات (ایک دوسری سے ملتی جلتی) ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھا پن) ہے وہ فتنہ چاہئے اور اسے اپنے مطلب پر ڈھالنے کیلئے ان متشابہ آیتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا اصل مطلب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ان لوگوں کے جو علم میں راست ہیں (اور) کوئی نہیں جانتا.....“ (ترجمہ سید امداد حسین کاظمی)۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی ناسخ کو چھوڑ منسوخ پر عمل کرتے ہیں۔ مجتهد ہم پر برتری جلتاتا ہے کہ محکمات و متشابہات اور ناسخ و منسوخ کا علم صرف اس کے پاس ہے لیکن خود اس کا اپنا حال یہ ہے کہ جان بوجھ کر محکم کو ترک کر کے متشابہ پر عمل کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کراتا ہے۔ دل ٹیڑھا ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی۔ یا تو قرآن نے رسول اللہ کی دو بیویوں کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے تھے یا پھر مجتهدین کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے دل ٹیڑھے ہیں۔ اور جس کا دل ٹیڑھا ہوا اس کا صراطِ مستقیم سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟۔ اس کی توہربات گمراہی پر بنی ہوتی ہے اور ایسے شخص سے توہر وقت ہو شیار ہنا چاہیے کہ اس کی تقلید کی جائے۔

آپ کو علم ہے کہ عقدِ دائمی اور عقدِ متعہ دونوں اصطلاحِ شرعی میں نکاح کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کی کوئی مدت مقرر نہیں ہوتی اور دوسرے کی مدت معین ہوتی ہے لیکن اس فرق کے باوجود دونوں نکاح ہیں۔ نکاح کے بارے میں ہم دو

آیاتِ قرآن پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک ناسخ ہے اور دوسری منسوخ اور دیکھتے ہیں کہ مجہد ناسخ پر عمل کرتا ہے یا منسوخ پر؟ سورہ مائدہ ۵ ”آج کے دن تمھارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور تمھارے لئے ان لوگوں کا طعام بھی حلال ہے جو اہل کتاب ہیں اور ان کیلئے بھی تمھارا طعام حلال ہے۔ اور مومنہ عورتوں میں سے پاک دامنیں اور جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان میں کی پاک دامنیں جبکہ تم ان کو ان کے مہر دے دو (بشرطیکہ) پاک دامنی کرنے والے ہوں نہ کہ کھلی بدکاری کرنے والے.....”۔

مندرجہ بالا آیت میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح حلال قرار دیا گیا ہے چاہے وہ نکاح دائمی ہو یا نکاح متعہ۔ مجہد اس آیت پر عمل کرتا ہے اور اہل کتاب عورتوں سے نکاح متعہ حلال قرار دیتا ہے۔

توضیح آغا خینی صفحہ ۳۶۵۔ مسئلہ ۲۳۹۲۔

”یہود و نصاری جیسی اہل کتاب عورتوں سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں“۔
اس مسئلے میں خوئی صاحب، سیستانی صاحب اور لنکرانی صاحب کا اجماعی فتویٰ بھی یہی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ؟ تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ مجہد ناسخ پر عمل کرتا ہے یا منسوخ پر؟۔

کافی، تفسیر عیاشی اور تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ اس آیت کا حکم خدا کے اس قول سے منسوخ ہے۔ ”**و لا تمسكوا بعصم الكوافر**“ یعنی کافر عورتوں کی ناموس پر قضہ نہ رکھو۔ اور تفسیر مجمع البیان میں اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی منسوخ ہے۔ ”**و لا تنكحوا المشرکات حتى يومن**“ یعنی

مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ (بقرہ ۲۲۱)۔

من لا تکضر ه الفقیر ح ۳۔ حدیث ۲۵۸۸۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”زنِ یہودیہ سے نکاح نہیں ہوتا اور نہ زنِ نصرانیہ سے نکاح ہوگا، متعہ کا نکاح ہو یا غیر متعہ کا۔“

روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مجتہد جانتے بوجھتے ناسخ آیت کو چھوڑ کر منسوخ آیت پر عمل کرتا ہے اور ”چور مچائے شور“ کے مصدق دوسروں کو یہ طعنہ دیتا ہے کہ ”تحصیں کیا پتہ ک کون سی آیت یا حدیث ناسخ ہے اور کون سی منسوخ؟“

ناسخ و منسوخ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کتابِ خدا میں ایک ہی مسئلے کے بارے میں دو مختلف احکام موجود ہوں تو جو آیت پہلے نازل ہوئی تھی وہ منسوخ کہلانے کی اور جو آیت بعد میں نازل ہوئی وہ ناسخ کہلانے کی اور یہ کوئی ایسا پوشیدہ راز نہیں ہے جو صرف مجتہد ہی جانتا ہو بلکہ تفاسیر اہلبیتؓ میں ایسی تمام آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، جیسا کہ سورہ مائدہ کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ لہذا ناسخ و منسوخ کی پہچان کرنا کوئی دودھ کی نہر لانا نہیں ہے بلکہ ہر شخص آسانی سے جان سکتا ہے۔ جہاں تک احادیث معصومینؐ کا تعلق ہے تو ان کا بھی یہی اصول ہے کہ اگر ایک امامؐ سے ایک حکم وارد ہو اور دوسرے امامؐ سے دوسری حکم اور یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو پہلے امامؐ کا حکم منسوخ سمجھا جائے گا اور بعد والے امامؐ کا حکم ناسخ اور ایسے احکام کا جان لینا تو بہت ہی آسان ہے۔ ویسے بھی قرآن ہو یا احادیث، ایسے احکام تعداد میں بہت کم ہیں اور محض اس بنیاد پر احادیث معصومینؐ کا انکار کر دینا یا ان میں اشتباہ ڈال دینا مجتہدوں اور ان کے حشم جیسے نمک خواروں ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ مومن تو معصومؐ کے ایک لفظ کا بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کا کام تو اپنے امامؐ کی اطاعت

کرنا ہوتا ہے۔ ہر ایک کیلئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ تمام منسوخات کو جان لے۔ وہ اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے اور جتنا جانتا ہے اتنا ہی عمل کرتا ہے۔ کیونکہ عمل بقدر علم ہوتا ہے نہ کسی کے کہنے سننے سے۔ اگر آج اس کا علم اتنا ہے کہ کسی حکم کو محکم جانتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس پر عمل کرے۔ اگر کچھ عرصے بعد اس کے علم میں ترقی ہو اور وہ جان لے کہ یہ حکم منسوخ ہے تو وہ اسے ترک کر کے ناسخ پر عمل شروع کرے۔ دونوں صورتوں میں اس کا عمل مقبول ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں اس کی نیت اطاعتِ امام ہی تھی اور عمل کا اصل مقصد بہر حال اطاعتِ امام ہے اور اعمال کا مکمل دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر وہ صحیح طریقے پر بھی عمل کر رہا ہے لیکن نیت اطاعتِ مجتہد کی رکھتا ہے تو وہ شرک فی العبادت کا مرتكب ہو رہا ہے کیونکہ مجتہد کا معاملہ تو ”تیر یا ثنگا“، جیسا ہے اور اسے خود بھی یقین نہیں ہوتا کہ جو فتویٰ وہ دے رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اسی لئے وہ فتویٰ (ذاتی رائے) دینے کے بعد لکھ دیتا ہے ”والله اعلم بالصواب“۔ یعنی میں نے تو اندر ہیرے میں تیر چھوڑ دیا۔ اب وہ نشانے پر گلتا ہے یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا بلکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مجتہد حکم معصوم آپ تک پہنچا رہا ہے تو وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے یا پھر شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے کیونکہ مجتہد کی پوری توضیح میں کسی ایک مقام پر بھی آپ کو نہیں ملے گا کہ ”فلان امام نے یہ فرمایا“، بلکہ وہ صرف اپنا فتویٰ یعنی اپنی ذاتی رائے بیان کرتا ہے۔ اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ بغیر حکم معصوم معلوم کئے کسی کی ذاتی رائے پر عمل کرنا انسان کو کہاں لے جا کر پھینک سکتا ہے۔ یہاں ایک اور مزے کی بات آپ کو بتاتا ہوں۔ فتاویٰ کا مطلب ہے ذاتی رائے۔ اور رائے کسی بھی اصول کے تحت حکم نہیں ہوا کرتی بلکہ رائے ایک

مشورہ ہوا کرتی ہے جس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن نظامِ اجتہاد میں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی ہے۔ یہاں رائے یعنی فتوے کو حکم کا درجہ دے دیا گیا ہے اور ایک ایسی رائے جس پر رائے دینے والے کو خود بھی پتہ نہ ہو کہ یہ صحیح ہے یا غلط، عمل کرنا واجب قرار دے دیا گیا۔ کون بے وقوف ایسی رائے پر عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت بر باد کرے گا؟۔ سوائے اس کے جس کی مت ماری گئی ہو۔

علم اسماء الرجال

ائمهٗ طاہرین کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب لوگوں کو کسی حدیث میں اشتباہ پڑ جاتا تھا تو وہ یا تو بذاتِ خود یا کسی کو بھیج کر خود ائمہٗ سے اس کی تصدیق کرالیا کرتے تھے اور اس طرح جعل سازوں کی کارروائیوں کا سدِ باب کر دیا جاتا تھا۔ دشمنانِ آلِ محمدؐ یہ بات بہت گراں گزری کہ اتنے مظالم کے باوجود لوگ معاملاتِ دین میں اہلیتؐ کی طرف ہی رجوع کر رہے ہیں۔ اس کا توڑا انہوں نے یہ نکالا کہ ”اسماء الرجال“ کے نام سے ایک علم ایجاد کیا جس کی بنیاد یہ تھی کہ روایت پر سوچ بچار کرنے کی بجائے راویوں کی چھان بین کی جائے اور اگر راوی صحیح ثابت ہو جائے تو اس صورت میں حدیث کو بھی صحیح مان لیا جائے اگرچہ فی نفسہ وہ حدیث صحیح نہ ہو۔ یعنی انہوں نے حق و باطل کا معیار لوگوں کو بنالیا کیونکہ ان کی نظر میں حق و باطل کا کوئی مستقل معیار نہ تھا حالانکہ حق حق ہوتا ہے چاہے ساری دنیا اس کی مخالفت کرے اور باطل باطل ہوتا ہے چاہے ساری دنیا اسے تسلیم کرے۔

معصومین نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے یہ ہم آگے چل کر بتائیں گے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب قیامت تک اسی دین اور اسی شریعت کو چلنا تھا اور دین و شریعت کی اصل

بنیاد احادیث معصومینؐ ہی تھی تو شارعؐ کا فرض تھا کہ وہ قیامت تک اپنی احادیث کی حفاظت کا انتظام کر کے جاتے اور یہ بات لوگوں پر نہ چھوڑتے کہ وہ حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنا خلیفہ معین کر کے اور معیار خلافت بتا کے گئے، لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر نہیں گئے۔ اب اگر امت حدیث کو جانچنے کے اصول خود بنائے تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے خلافت امیر المؤمنینؑ کا انکار کرنا اور سقیفہ کی کارروائی کو درست جاننا۔

حشم صاحب نے اس خود ساختہ علمِ رجال کا بڑے زور و شور سے دفاع کیا ہے اور اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ ”میں ذاتی طور پر علم الرجال کے بارے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں علم الرجال کو سرکاری علم قرار دیا جائے اور جو شخص بغیر علم الرجال کے احادیث کے بارے میں تقدیم و تبصرہ کرے اسے ملک بدر اور اسلامی معاشرے سے باہر پھینک دیا جائے اور بس“۔ گویا احادیث کا ذکر کرنا، ان پر تبصرہ کرنا اور ان سے نتائج نکالنا سرکاری طور پر جرم قرار دیا جائے۔ یہ طالبان والی ذہنیت صرف حشم صاحبؓ ہی کی نہیں بلکہ ہر مولوی یہی ذہنیت رکھتا ہے لیکن جھوٹ بہر حال جھوٹ ہوتا ہے چنانچہ صفحہ ۵۳ پر یوں رقم طراز ہوتے ہیں۔ ”اردو طبقے کا کتب رجال سے محروم رہنے کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہمارے اردو طبقے کو اس علم کی ضرورت بھی نہیں اور نہ کبھی محسوس کی گئی ہے اور میں یہاں پر عرض کروں گا کہ علمِ رجال کو فقهاء اور محدثین کیلئے مخصوص کر دینا چاہیے جیسا کہ پہلے سے رہا ہے اور فقهاء و محدثینؐ ہی اس علم سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں، عوام اور عام آدمی کیلئے یہ علم بے فائدہ ثابت ہوگا“۔ اس کے فوراً بعد لکھتے ہیں۔ ”موجودہ دور

میں چونکہ احادیث کی جامع کتب کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ہورہے ہیں اس لئے اور حالات کا تقاضا بھی ہے کہ علم رجال کی کتابوں کے ترجمے ہونے چاہئیں تاکہ حدیث کے ساتھ راویٰ حدیث کی تحقیقات کے دروازے عوام کیلئے کھلے چھوڑ دیئے جائیں، ایسے بے پیندے کے لوٹے سے بات کرنا اپنا وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن ہم صرف اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ شرعاً اور عقلاً رسول اللہ پر واجب تھا کہ وہ اپنی احادیث کی حفاظت کا انتظام کر کے جاتے اور کوئی ایسا معیار اور ایسی کسوٹی بتا کر جاتے جس پر ہر شخص ان کی احادیث کو پرکھ لیا کرتا اور یقیناً وہ یہ معیار ہمیں دے کر گئے ہیں، ہمیں چیران و سرگردان چھوڑ کر نہیں گئے اور وہ معیار کیا ہے یہ ہم خود حشم صاحب کی زبان سے سنواتے ہیں تاکہ حشم صاحب کو بھی دم مارنے کا حوصلہ نہ رہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ حشم صاحب نے علم رجال کی وکالت میں لکھا ہے لیکن اللہ جب کسی کی عقل پر پھرڈاں دے تو وہ کہتا کچھ ہے اور ثابت کچھ اور ہو جاتا ہے۔

۱۔ صفحہ ۲۶۔ ”فرمایا رسول اللہ نے۔ ”ہر ایمان کی علامت ہے اعمال صالح اور روشنی ہے حکماتِ قرآن سے۔ پس جو حدیث کتابِ خدا کے موافق ہوا سے لے اور جو مخالف کتاب ہوا سے چھوڑ دو۔“

۲۔ صفحہ ۲۷ پر دو احادیث لکھتے ہیں
 (الف)۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ ”جو حدیث میری تمہارے سامنے آئے، اگر وہ کتابِ خدا کے موافق ہو تو میری ہے اور اگر مخالف کتاب ہے تو میری نہیں۔“
 (ب)۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”اگر حدیث کی تصدیق کتابِ خدا یا قول رسولؐ

اللہ سے ہوتی ہے تو اسے لے اور نہ اسے رد کر دو۔

(ج) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ جھوٹ ہے۔“

ایسی سینکڑوں احادیث موجود ہیں لیکن ہم نے صرف حشم صاحب کی کتاب سے اسناد لی ہیں جن سے پتہ چل گیا کہ احادیث معصومینؐ کو پرکھنے کا واحد معیار قرآن ہے چاہے ان کا بیان کرنے والا راوی کوئی بھی ہو۔ یعنی جس چیز کو پرکھنا ہے وہ متن حدیث ہے نہ کہ راویؐ حدیث۔ کیونکہ اگر ہم راویؐ حدیث کو سچا سمجھ کر اس کی بات پر عمل کریں گے تو ہم اُس راویؐ کی اطاعت کریں گے نہ کہ اللہ و رسولؐ کی۔ جیسا کہ حشم صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر خود لکھتے ہیں۔ ”رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ ”جو کوئی کسی کہنے والے یعنی روایت بیان کرنے والے کی بات پر کان دھر لے اور پھر اسے قبول کرے تو گویا اُس نے راویؐ کی اطاعت کی ہے۔“

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد حشم صاحب نے ایک اور پلٹا کھایا اور صفحہ ۳۰ پر یوں قلم فرسا ہوئے۔ ”اب یہاں پھر میں اپنے دوستوں، مونین، عزادار بھائیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے وہ کون شخص ہے جو موافق قرآن اور مختلف قرآن احادیث میں تمیز و تفرقی کر کے بتاسکے؟“

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ملّت شیعہ کے بہت بڑے ہمدرد ہیں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن و تفاسیر کے دستیاب ہونے کے باوجود نہ تو کوئی شیعہ قرآن اور تفسیر پڑھے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور تاقیامت مجتهد کا محتاج بنارہے حالانکہ خود مجتهد قرآن کے بارے میں کتنا جانتا ہے یہ اس بات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کے سلسلہ میں قرآن مجید کی ۶۶۶۶

آیات میں سے صرف ۵۰۰ آیات شامل ہیں جبکہ باقی ۶۱۶۶ آیات سے وہ جاہل ہے۔ اس کے شواہد انشاء اللہ ہم پیش کریں گے بلکہ اس سلسلے میں علامہ حلی کا قول ہم ”کشف الحقائق“، میں لکھ بھی چکے ہیں۔ بہر حال حشم صاحب نے اس معاملے میں تمام شیعوں کو نا اہل قرار دے دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک شیعہ دنیا کی جاہل ترین قوم ہے۔ لیکن جہاں حضرت امیر المؤمنین کی فضیلت کا معاملہ آتا ہے تو وہ شیعوں کو رعایت دینے پر تبار ہو جاتے ہیں اور اپنا ہر اصول توڑ کر اُن کو اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ بغیر کسی کی مدد کے خود ہی قرآن سے موافقت یا مخالفت کا معاملہ طے کر سکتے ہیں۔

چنانچہ صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ ”یہاں پر میں اپنے مؤمنین دوستوں، ماتحتی و عز ادار بھائیوں کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ بمعہ میرے کسی کی باتوں میں نہ آئیں بلکہ ایک عمل آپ خود کر کے آزمائش کریں۔ بات رو ز روشن کی طرح ہو جائیگی۔ آپ قرآن مجید کا ایک اردو ترجمہ ایک خطبۃ البیان مترجم جو حضرت امیر المؤمنین سے منسوب ہے اور کتاب نجح الاسرار میں موجود ہے، اس خطبے کے اقتباسات باقر ثار زیدی نے کشف العقاد میں درج کئے ہیں، چاہے یہی اقتباسات اپنے ساتھ رکھ لیں۔ آپ تہائی میں یا چند دوستوں کے ہمراہ کہیں بیٹھ جائیں اور ذہن میں صرف اتنا یاد رہے کہ اللہ اور قلم آں آل محمدؐ پ کو دیکھ رہے ہیں، آپ اپنا یہ عمل شروع کر دیں یعنی سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ فراخیلی اور غور و فکر سے پڑھیں جہاں سے جی چاہے، کوئی پابندی نہیں ہے۔ اگر وقت کی قلت ہو تو سورہ زخرف، روم، الرّعد، الحلق، قصص، اعراف، الفرقان، فاطر، شمس، آل عمران، یونس، الانعام، عنكبوت، ان چہار دہ سورتوں کا ترجمہ ملاحظہ کیا جائے تو کافی ہو گا۔ اس کے بعد اسی

طرح خطبة البيان کا ترجمہ پڑھیں اور دونوں ترجیح ساتھ رکھ کر دیکھیں کہ خطبة
البيان میں کتنے قول اور جملے ایسے ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں؟۔ دیکھیں اس میں آپ کو
پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کو محمد و آل محمد نے اپنی احادیث کو
قرآن کے ساتھ پرکھنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا ہے۔ اب آپ جتنی بھی سمجھ
یوجھ رکھتے ہیں اور یقیناً عقل رکھتے ہیں، آپ کو اپنی عقل کے مطابق فیصلہ کرنا
ہوگا.....۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حشم صاحب کس صفائی کے ساتھ اپنے اس دعوے سے
دستبردار ہو گئے کہ قرآن و حدیث کو سوائے مجہد کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جب مولا امیر
المؤمنین کے فضائل کا انکار کرنا ہوتا یک عام آدمی بھی مجہد سے بے نیاز ہو جاتا ہے بلکہ خود
مجہد بن جاتا ہے اور جہاں قرآن اور فرمائشاتِ معصومین گو پڑھنے، سمجھنے اور فائدہ اٹھانے
کی بات آتی ہے تو ہر شخص نااہل ہو جاتا ہے اور دین کی لگام پھر سے مجہد کے ہاتھوں میں
آجائی ہے۔

علمِ رجال کے بارے میں حشم صاحب نے بڑی دلچسپ باتیں کی ہیں۔ پہلے تو انہوں نے
یہ دعویٰ کیا کہ اس علم کی تعلیم اہلیت نے دی تھی۔ اس کی حقیقت ہم اپنے مقام پر فرمان
معصوم سے ہی بتائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حشم صاحب نے یہ معلومات کہاں سے
حاصل کی ہیں سنی اور شیعہ دونوں اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ علم لوگوں نے خود ایجاد کیا
ہے۔ سنی شیعہ علماء میں سے کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کا کوئی تعلق اہلیت سے
ہے۔ دوسرا طیفہ حشم صاحب نے یہ سنایا کہ اہلسنت نے بھی علمِ رجال اہلیت سے ہی
حاصل کیا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ ”علم الرجال جس کی بنیادی تعلیم و

اہمیت اہلیت نے بیان فرمائی ہے، اہلسنت کی ایجاد نہیں بلکہ اہلسنت نے بھی اہلیت سے حاصل کیا ہے“۔ ماشاء اللہ کیا تحقیق ہے! سینوں نے اہلیت سے اور کچھ تو نہ لیا بلکہ ان سے روایات تک قبول کرنا پسند نہ کیا اور ساری زندگی ان کی مخالفت کرتے رہے لیکن وہ خیالی علم ان سے لے لیا جس کی ایجاد کے وہ خود مدعی ہیں۔
فقصص العلماء صفحہ ۱۲۔

”آنحضرت کے وصال کے بعد تو گویا جعلی حدیث سازی کی فیکٹریاں کھل گئیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے پیسوں کو حکمرانوں نے ان ناجائز خواہشات کو جائز ثابت کرنے کے لئے، خانوادہ عصمت سے نفرت کو فروع دینے کیلئے اور اپنے محسنوں کیلئے جھوٹے فضائل عام کرنے کیلئے بے دریغ استعمال کیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے اسلام کا درد رکھنے والے مسلمانوں نے احادیث کی چھانپ کا اہتمام کیا۔ اس سلسلے روایان حدیث بھی زیر بحث آئے چنانچہ علم رجال وجود میں آیا۔“

یہ شیعہ گواہی تھی جو ایک جلیل القدر شیعہ مجتہد کی زبان سے ہم نے سنوائی۔ حشم صاحب خدا جانے کون سی دنیا میں رہتے ہیں۔ انہیں کوئی بتائے کہ گمراہ کرنے کیلئے بھی تھوڑی بہت معلومات کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ انہوں نے تو علم رجال کی ایک دو کتابوں کے نام کہیں سے سن لئے اور پھر ساری شیعہ قوم کو بے وقوف سمجھتے ہوئے ایک فرضی افسانہ گھڑ کر پیش کر دیا۔ انہیں شاید اندازہ نہیں کہ علم الرجال کو قبول کر لینے کی وجہ سے مذہب شیعہ کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ رسول اللہ کے زمانے سے غیر صحیح تک حدیث کی صرف دو ہی اقسام تھیں۔ صحیح اور غیر صحیح۔ لیکن علم الرجال نے احادیث کی متعدد اقسام بناؤالیں۔ بنیادی طور پر

حدیث کو دو اقسام پر تقسیم کیا گیا۔ متواتر، یعنی جو حدیث کئی سلسلوں سے وارد ہوئی ہو، اور دوسری احادیث واحد، یعنی جو ایک ہی سلسلے سے آئی ہو۔ متواتر احادیث تعداد میں اتنی قلیل ہیں کہ انہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے جبکہ اکثر احادیث احادیث کی تعریف میں آتی ہیں۔ شیعہ علماء نے اہلسنت کی نقل کرتے ہوئے اس تقسیم کو قبول کر لیا اور اپنا ایمان اس الزام پر مستحکم کر لیا کہ ”احاد احادیث پر عقائد و اعمال کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی“، جس کا نتیجہ یہ تکلا کہ اب شیعوں کا کوئی عقیدہ محفوظ نہ رہا اور حدیث غدیر تک کو علماء اہلسنت نے اسی علم رجال کی بنیاد پر احادیث رہے کہ اس کا انکار کر دیا۔ اگر حدیث کی یہ فرضی تقسیم نہ کی جاتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ غدیر چیزیں مستحکم حدیث کا انکار کر سکتا۔

درحقیقت علم الرجال کی ایجاد کا سہرا ان مسلمانوں کے سر ہے جو دین میں مانی کرنا چاہتے تھے اور احادیث رسول جن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے محدود اور ذاتی علم و فہم پر احادیث رسول گو جانچا اور انہیں اپنے آباء و اجداد کے دین سے متصادم پا کر ان میں اپنا اجتہاد اور قومی بصیرت داخل کر کے مشکوک و شبہات کا ایک جال بُنا اور پھر اپنی حرکتوں کا جواز پیدا کرنے کیلئے خود ہی کچھ معیارات قائم کئے۔ چونکہ شیعہ علماء کے مقاصد بھی وہی تھے جو سنیوں کے تھے لہذا انہوں نے بھی وقت ضائع کئے بغیر ان اصولوں پر عمل شروع کر دیا اور چھان پھٹک کے بہانے تمام احادیث کو مشکوک قرار دے دیا اور یہ اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا کہ جب دل چاہے کسی حدیث کو رد کر دیں اور جب دل چاہے اُس حدیث کو قبول کر لیں۔ یہاں ہم علم الرجال کی ایک مختصر سی تاریخ بیان کرتے ہیں تاکہ مومنین تک اس کا ایک اجمالی خاکہ پہنچ سکے اور حشم صاحب بھی اپنی اصلاح فرمائیں۔

یہ اقتباس ہم کتاب ”غناء“ اخذ کر رہے ہیں۔

”علم رجال میں سے پہلی کتاب مکھی بن سعیدقطان کی تصنیف کہی جاتی ہے۔ ان کا سن وفات ۱۹۸ ہجری ہے (یعنی وفات رسولؐ کے ۷۱۸ مسال بعد)۔ بعد میں یہ فن بڑھتا اور ترقی کرتا رہا۔ علامہ شبلی کے مطابق عقلی، رازی، قطینی اور ابن عدی کی کتب رجال اگرچہ ناپید ہیں مگر بعد کی تصنیفات کا بنیادی مأخذ یہی ہیں۔ فن اسماء الرجال کی قدیم ترین کتابوں میں طبقاتِ ابن سعد کو اولیت حاصل ہے۔ ان کے بعد اس فن کی نادر الوجود کتاب محمد ابن اسحیل بخاری کی تاریخ ہے جو تین جلدیں (کبیر، اوستہ اور صغیر) میں لکھی گئی ہے۔ ان کے بعد مسلم بن حجاج نے مفردات الوجدان کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ان کی زندگی میں احمد بن عبد اللہ الجلی سن ۲۶۱ ہجری نے اس فن میں ایک مفید کتاب ”الجرح التعذیل“ لکھی۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ ہجری کی کتاب کا نام بھی ”الجرح التعذیل“ تھا۔ علامہ ابواحمد بن محمد ابن قطان ۲۶۵ ہجری کی کتاب ”الکامل“ اس فن میں وقوع ترجیحی جاتی ہے اور سب سے جامع اور مستند ترین کتاب تہذیب الکمال ہے جو علامہ رمزی یوسف بن زکی کی تصنیف ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کی تلخیص کی ہے۔ صحاح ستہ کے راویوں کے بارے میں یہ بڑی اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی ایک شرح علامہ ابن حجر نے بھی لکھی جس کا نام تہذیب التہذیب ہے۔ اس کے بعد اس فن پر لکھنے والوں میں ابن عبد البری تباکی ابن اثیر، ابن جوزی، حافظ نوری، علامہ سیوطی اور الحساوی اہم ہیں۔

علم رجال کے بارے میں حشم صاحب نے جتنی طول طویل اور بے بنیاد باتیں کی ہیں ان سب کا رد ہم اپنی کتاب ”کشف الاحکام“ کے مقدمے میں کرچکے ہیں جس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کشف الحقائق میں بھی ہم نے اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آپ جب یہ

کتاب میں پڑھ لیں گے تو جسم صاحب کا جھوٹ اور فریب کھل کر آپ کے سامنے آجائے گا۔ و یسے بھی رجال کسی علم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو فقط ایک ڈھونگ ہے جس کے ذریعے دین کو اپنی پسند ناپسند کے تابع کیا جاتا ہے۔ علومِ دینی کے بارے میں رسول اللہ فرماتے ہیں۔

”أَنَّمَا الْعِلْمُ ثُلَثَةٌ، آيَتُهُ الْمُحْكَمَةُ أَوْ فَرِيضَةٌ أَوْ سُنْتُهُ قَائِمَةٌ“ یعنی علم صرف تین ہیں۔ آیاتِ مکملہ، فریضۃ عادلہ اور سنت الفائزہ۔ ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ وہ اضافی ہے۔ (منیۃ المرید صفحہ ۲۰۳)۔ اسی لئے قرآن کے محکمات و متشابہات معلوم کرنے کیلئے حدیث کو معیار بنایا گیا ہے اور حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی کسوٹی قرآن کو قرار دیا گیا۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”جو شخص ہمارے متعلق یہ جانتا ہے کہ ہم حق کے سوا کچھ نہیں کہتے تو اسے اپنے اسی علم پر اکتفا کرنا چاہیے (یعنی بے چون و چرا ہماری حدیث کو تسلیم کر لینا چاہیے) اور اگر ہم سے اس کے خلاف سن لے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ہماری طرف سے دفاع (تقبیہ) ہے اور اس کیلئے اختیار ہے (یعنی اگر ضرورت پڑے تو وہ بھی اس پر عمل کر سکتا ہے)۔ (میزان الحکمت جلد ۲ صفحہ ۲۷۵)۔ دیکھئے دین کتنا آسان ہو گیا جسے مولوی نے انتہائی دشوار بنادیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ نے فرمایا۔ ”جس شخص تک میری حدیث پہنچ اور وہ اسے جھٹلائے تو بروز قیامت میں اس کا دشمن ہوں گا۔ لہذا جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے اور تم اس کے سچ یا جھوٹ کے متعلق نہ جانتے ہو تو کہدیا کرو کہ ”واللہ عالم“۔ (میزان الحکمت جلد ۲ صفحہ ۳۶۲)۔

ہم نے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے ان شبہات کو رفع کیا ہے جو جسم صاحب کی تحریر سے پیدا ہوئے تھے۔ ہمارا مقصد تفصیل میں جانا نہیں تھا کیونکہ ہماری کتابوں میں تفصیل پہلے ہی موجود ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ آپ تھوڑی سی زحمت اٹھا کر ان کتابوں کا مطالعہ

فرمائیں جس کے بعد انشاء اللہ کوئی بھی خنّاں آپ کے دلوں میں وسوسہ نہیں ڈال سکے گا۔
حتیٰ فیصلے کیلئے آخر میں ہم چند اقوال معصومین نقل کرتے ہیں تاکہ علم رجال کا ہمیشہ ہمیشہ
کیلئے قلع قلع ہو جائے۔

۱۔ مُنْيَةُ الْمَرِيدِ۔ صفحہ ۳۱۵۔

مولانا امیر المؤمنین نے فرمایا۔ ”جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس کو اس شخص کے
حوالے سے بیان کرو جس نے تمھیں نقل کیا ہے۔ پس اگر وہ حدیث حق ہوگی تو اس کا
فائدہ تمھیں پہنچے گا اور اگر جھوٹی ہوگی تو اس کا وابال اس جھوٹے راوی پر ہوگا۔“

۲۔ امامی شیخ معفید۔ صفحہ ۲۱۔

امیر المؤمنین نے فرمایا۔ ”**أَنَّ دِينَ اللَّهِ لَا يَعْرِفُ بِالرِّجَالِ بِلِ بَأْيَتِهِ**

الحق فاعرف الحق تعرف أهلة

یعنی اللہ کے دین کو رجال کے ذریعے مت پہچانو بلکہ واضح اور حق آیات کے ذریعے
حق کی معرفت حاصل کرو اور اس حق سے اہل حق کی پہچان کرو۔

۳۔ غیب نعمانیہ صفحہ ۱۲۲ اور میزان الحکمت ج ۸ صفحہ ۲۷۶۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”**مَنْ دَخَلَ فِي هَذَا الدِّينِ بِالرِّجَالِ أَخْرَجَهُ مِنْهُ الرِّجَالُ كَمَا دَخَلُوهُ فِيهِ وَمَنْ دَخَلَ فِيهِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنْنَةِ زَالَ الْجَبَالُ قَبْلَ أَنْ يَزُولَ**“۔

یعنی جو شخص اس دین میں رجال کے ذریعے داخل ہو گا تو وہ رجال اُس کو دین سے
ویسے ہی باہر نکال دیں گے جسے کہ داخل کیا تھا۔ اور جو شخص کتاب و سنت کے ذریعے

اس میں داخل ہوگا، پھر اپنی جگہ سے مل سکتے ہیں لیکن وہ نہیں ہٹے گا۔

نمازِ جمعہ و عیدِ یمن

نمازِ جمعہ و عیدِ یمن کا مسئلہ ایک ایسی پھانس ہے جو بہت سے لوگوں کے دلوں میں انگلی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی نے انہیں یہ سبق پڑھایا ہے کہ عبادت کا مطلب ہے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ اسلئے یہ افعال ہر حال میں بجالانے ہیں۔ حالانکہ یہ بات اصلاً غلط ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد اللہ و رسول و ائمہ طاہرین کی مکمل اطاعت کرنا ہے۔ وہ جس چیز کا حکم دیں اسے بجالایا جائے اور جس چیز سے منع کر دیں اس سے باز رہا جائے۔ ایسی صورت میں اگر وہ نماز روزے کا حکم دیں تو یقیناً ہر شخص پر واجب ہے کہ ان کے حکم کی پاسداری کرے۔ لیکن اگر چند مخصوص حالات میں وہ ان چیزوں سے منع کر دیں تو ایسی صورت میں ان کا بجالانا اپنی آخرت بر باد کرنا ہے۔ اگر یہ بات مومنین کے دلوں میں بیٹھ جائے تو ان کے پیشِ نظر ہمیشہ اطاعتِ خدا ہی رہے گی اور وہ ہر حال میں حکمِ خدا پر ہی عمل کریں گے چاہے ان کے دلوں کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ بغیر حکمِ خدا معلوم کئے صرف مولوی کے کہنے پر کسی کام کیلئے دوڑ پڑنا اللہ کی نہیں بلکہ اُس مولوی کی عبادت کہلانے گی۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ کسی بھی کام کا ارادہ کرنے سے پیشتر اس کام کے بارے میں حکمِ خدا معلوم کرے، اس کے بعد وہ کامِ حکمِ خدا کے مطابق بجالائے۔

در اصل لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ باقر ثارز یہی نمازِ جمعہ کا منکر ہے اس لئے لوگوں کو نمازِ جمعہ سے منع کرتا ہے۔ کسی پر بہتان لگادینا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ لیکن سننے والے کا یہ فرض ہوتا ہے کہ پہلے اس کی تحقیق کرے، پھر تسلیم کرے۔ هم واضح طور پر اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں کہ نمازِ جمعہ و عیدِ یمن سمیت کسی بھی حکم

شریعت کا انکار کرنا در اصل نبوت محمدؐ کا انکار کرنا ہے اور اب ایسا شخص صریحاً کافر ہے۔ ہمیں
کسی بھی صورت کسی بھی حکم شریعت میں دخل اندازی کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ کام
مجہدین ہی کر سکتے ہیں، کوئی مومن تو اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن حکم شریعت کو
جاننا اور بیان کرنا ہر شخص کافر ہے اور اگر کسی کے دل کو بات نہیں لگتی تو اس پر واجب
ہے کہ تحقیق کرے اور یقین کی منزل تک پہنچے۔ ہم نماز جمعہ کے بارے میں مکمل حقوق اپنی
کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ اب اگر کوئی انہیں پڑھنا ہی گوارانہ کرے اور حشم جیسے افواہ
بازوں کی باتوں پر بغیر سوچ سمجھے یقین کر لے تو اس کا تو کوئی علاج ہمارے پاس نہیں
ہے۔ ہم ایک بار پھر نماز جمعہ کے بارے میں ایک مکمل حقوق نامہ آپ کی خدمت میں پیش
کر رہے ہیں جس کے بعد انشاء اللہ اس مسئلے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ لیکن اس
سے پہلے ہم ان نمازوں کی تاریخی صورت حال بیان کرتے ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ جو
کچھ آپ کو بتایا جا رہا ہے اس کا مقصد محض ایک باطل حکومت کو پروان چڑھانا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام حسنؑ کی چھ ماہ کی حکومت کے بعد یہ نماز میں شیعوں میں نہ پڑھی گئی ہیں
 نہ پڑھائی گئی ہیں۔ یہ پڑھکر آپ کو اچنچا تو ضرور ہوا ہوگا اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ باتیں
 آپ سے ہمیشہ چھپائی گئی ہیں۔ آپ یقین فرمائیں کہ باقی ممالک تو رہے ایک طرف، خود
 ایران میں یہ نماز میں کبھی نہیں پڑھی گئیں بلکہ انقلاب ایران کے بعد ان کو بطور بدعت شروع
 کیا گیا تاکہ ان سے سیاسی فائدے اٹھائے جاسکیں۔ یہاں ہم ایران اور ہندوستان کی
 صورتحال سے پرده اٹھاتے ہیں تاکہ آپ جان سکیں کہ یہاں یہ بدعت کب اور کیسے جاری
 ہوئی۔ خمینی کے دستِ راست شہید مرتضی مطہری تقلیدی حلقوں میں ایک جانی پہچانی اور
 بھاری بھر کم شخصیت ہیں اور شاید کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو جوان سے واقف نہ ہو۔ انہوں نے

ایک کتاب ”خن“ کے نام سے لکھی ہے جو ان کے دراسات پر مشتمل ہے ہم اس کتاب سے حوالہ اخذ کر رہے ہیں اور آئندہ موضوعات کے تحت بھی اس کے حوالے نقل کریں گے۔ یہ کتاب مارکیٹ میں عام دستیاب ہے اور اگر آپ چاہیں تو یہ کتاب آسانی سے خرید سکتے ہیں اور ہمارے دیئے گئے حوالوں کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اتنے عظیم الشان مجتهد کے حوالے کے بعد بھی اگر حشم صاحب اور ان جیسے دیگر بہروپیئے نماز جمعہ کا راگ الائیں تو سمجھ لیجئے کہ ان کا مقصد آپ کو گراہ کرنے اور آپ کو حق سے کراہت کرنے کی عادت ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

خن۔ صفحہ ۲۶۱

”میرا خیال ہے کہ اس طریقہ کار پر عمل کرنا چاہیئے جو خطبہ جمعہ کے بارے میں ہمارے لئے تجویز کیا گیا ہے اور جس کے مطابق میں نے کل رات ایک روایت امام رضاؑ سے نقل کی تھی۔ یہ فرمان بہت جامع ہے۔ لیکن ہمارے ہاں جمعہ کی نماز تو ہوتی نہیں کہ اس ہدایت پر جمعہ کے خطبے میں عمل کیا جائے۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انقلاب حینی سے پہلے ایران میں نماز جمعہ نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ بدعت انقلاب کے بعد راجح کی گئی جس کی مزید دلیل مترجم کتاب کا وہ فٹ نوٹ ہے جو انہوں نے اس عبارت کے متعلق لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”الحمد لله، شاه ایران کی طاغوتی حکومت کے خاتمے کے بعد ایران کے ہر شہر میں نماز جمعہ کے فقید الشال اجتماع منعقد ہوتے ہیں۔“ یہ حال ہے اس نماز جمعہ کا جس کیلئے حشم صاحب سر دھڑ کی بازی لگائے پھرتے ہیں۔ ان سے کہیئے کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں اس کے بعد لوگوں کو گراہ

کرنے کی کوشش کریں۔

حسن اتفاق سے اس بات کی مزید تائید ایک اخباری رپورٹ سے بھی ہو گئی۔ وہ رپورٹ بھی ہم آپ کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں۔

روزنامہ جسارت کے فرانسیڈے اپیلیشن برائے ۲۳ نومبر ۱۹۹۷ء کے صفحہ ۱۵ پر ”امیر جماعتِ اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد کا دورہ ایران“ کے عنوان کے تحت ایک مضمون نظر سے گزر جس میں مضمون نگار لکھتے ہیں:-

”گیارہ نومبر کو ہم ایران کے وقت کے مطابق دن کے تقریباً گیارہ بجے تہران ایئر پورٹ پہنچ گئے تو ایران کے نائب وزیر خارجہ جناب علاء الدین بروجردی صاحب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ طیارے کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے تھے۔ پرتاپ استقبال کے بعد وی آئی۔ پیلا ونچ میں ہی ابتدائی مذاکرات کا آغاز ہو گیا۔ تو اضع اور ایئر پورٹ کی ضروری کارروائیوں کے بعد ہوٹل پہنچ اور ڈیڑھ گھنٹے بعد نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ انقلاب سے قبل توباجماعت نمازِ جمعہ کا تصور ہی معدوم تھا۔ لیکن امام خمینی کی آمد کے بعد ایران کے تمام شہروں میں مشترکہ نمازِ جمعہ بڑے اختشام و احترام سے ادا کی جاتی ہے۔“

اصل میں اہلسنت اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ شیعوں کے یہاں نمازِ جمعہ و عیدِ دین نہیں ہوتی اور اسی طعنے سے نچنے کیلئے ان نمازوں کو روایج دیا گیا۔

یہ تھا ایران کا حال، اور اب ہم ہندوستان کی طرف آتے ہیں کہ یہاں یہ بدعت کس طرح اور کب اور کس کے ہاتھوں رانج ہوئی۔ ہمارے کراچی ہی کے ایک مہربان ہیں جن کا نام بھی حشم صاحب کی طرح ”ذوالفقار علی“ ہے اور وہ اپنے نام کے ساتھ ”زیدی“ لگاتے ہیں۔ ان ذوالفقار علی زیدی کو ہم سے خدا و اسٹے کا بیر ہے اور وہ اکثر ہمارے خلاف بخار

نکالتے رہتے ہیں۔ پہلے انہوں نے ایک کتابچہ ”نمازِ جموعہ و جماعت“ کے نام سے شائع کیا جس کا جواب ہم نے ”کشف التھاد“ میں دیا تو کچھ دن خاموش بیٹھر ہے لیکن ناصیحت کا کیڑا انہیں کیونکر چین سے بیٹھنے دے سکتا تھا۔ لہذا ایک مرتبہ پھر ”نمکِ ایران“ نے جوش مارا اور انہوں نے ایک اور کتابچہ لکھ مارا جس کا نام انہوں نے ”فقہ صادق“ رکھا تاکہ کوئی جان نہ سکے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے۔ بادنیٰ النظر میں تو یہی سمجھا جاتا کہ اس میں فقہی مسائل لکھے ہوں گے لیکن اس میں سے بھی وہی ”باقر ثار فوبیا“ برآمد ہوا۔ بہر حال اس طرح اگر ان کا دل خوش ہوتا ہے تو اللہ ان کو یہ خوشی مبارک کرے لیکن ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ کوئی حق کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ خود اسی کے قلم میں سے کوئی ایسی بات نکلوادیتا ہے جو خود اس پر جھٹ بن جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں نمازِ جموعہ کا ذکر کرتے ہوئے ”فقہ صادق“ کے صفحہ ۹۳ پر یوں رقم طراز ہوتے ہیں۔

”غفران آپ سید ولدار علی نقوی، جن سے پہلے طریق جعفری پر نمازِ جموعہ و جماعت ہندوستان میں کہیں نہیں ہوتی تھی، آپ نے اس ملک میں اجتہاد و بدایت کی بنیاد ڈالی اور اقصاء ہند میں جگہ جگہ اپنے تلامذہ (شاگردوں) کو پیش نمازی کیلئے بھیجا۔“

جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ شیعوں میں نمازِ جموعہ کبھی نہیں ہوتی تھی اور یہ سب بعد کی ایجاد ہے تو پھر آپ کافر ضم بنتا ہے کہ سارا غصہ بے چارے باقر ثار زیدی پر نہ اتاریں بلکہ اس بات پر غور کریں کہ شیعوں میں ان دونوں نمازوں کے نہ ہونے کا سبب کیا تھا؟ علماء اُس وقت بھی موجود تھے، نماز پنجگانہ اُس وقت بھی باجماعت ہوا کرتی تھی، نماز آبادت اور نماز استسقاء بھی بڑھی جاتی تھی، آخر ان دونمازوں میں ایسا کون سا یقین آپڑا تھا کہ شیعوں

میں انہیں ساقط سمجھا گیا؟- اب آپ نماز جمعہ کے وہ حقائق ملاحظہ فرمائیے جن سے ساری صورتِ حال واضح ہو جائے گی:-

جاننا چاہیے کہ جتنے بھی واجبات ہیں انہیں اصطلاحِ شرعی میں دونام دیئے گئے ہیں۔ واجب موقوت اور واجب مشروط۔ موقوت کا مطلب یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر اُس مقرر کردہ وقت کے علاوہ وہ عبادت بحالانی جائے گی تو وہ باطل ہو گی۔ مثلاً اگر نماز کو اس کے مینے وقت سے پہلے پڑھ لیا جائے تو وہ باطل ہو گی اور اس کا اعادہ واجب ہو گا۔ اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہو تو وہ فعلِ حرام ہو گا۔ یہی صورت دیگر عبادات مثلاً روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی بھی ہے۔

مشروط کا مطلب یہ ہے کہ ہر عبادت کے ساتھ کچھ شرائط لگی ہوئی ہیں۔ اگر وہ شرائط پوری ہوتی ہوں تو وہ شے واجب ہے۔ اور اگر شرائط پوری نہ ہوتی ہوں تو وہ شے باطل ہے۔ اور اگر جان بوجھ کر بغیر شرط پوری ہوئے وہ عمل کیا گیا ہو تو وہ فعلِ حرام ہے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جائی ہیں۔

نماز

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نماز کا حکم دیا گیا ہے اور بے شمار احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن وجوب نماز کے ساتھ چند شرائط لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً جس زمین پر اور جس لباس میں نماز پڑھی جائے وہ عصبی (چھینی ہوئی) نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص جان بوجھ کر عصبی زمین پر یا عصبی لباس میں نماز پڑھے گا تو وہ فعلِ حرام کا مرتكب ہو گا اور اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا۔ اگرچہ اس نے نماز پڑھی ہے، کوئی برائی کام نہیں کیا ہے۔

روزہ

اللہ نے قرآن میں روزہ فرض کیا ہے اور بے شمار احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن وجوب روزہ کے ساتھ بھی چند شرائط لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان سفر میں نہ ہو اور دوسرے یہ کہ مریض نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص جان بوجھ کر حالت سفر یا حالت مرض میں روزہ رکھ لے تو وہ فعلِ حرام کا مرتكب ہو گا اور اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا۔ اگرچہ اس نے روزہ رکھا ہے، کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے۔

حج

اللہ نے قرآن میں حج فرض کیا ہے اور بے شمار احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن وجوب حج کے ساتھ ”استطاعت“ کی شرط لگی ہوئی ہے۔ پس اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بغیر استطاعت حج کر لے تو وہ فعلِ حرام کا مرتكب ہو گا اور اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا۔ اگرچہ اس نے حج کیا ہے، کوئی بُرا کام نہیں کیا۔

زکوٰۃ

اللہ نے قرآن میں زکوٰۃ کو فرض کیا ہے اور بڑی شدت سے اس کا حکم دیا ہے۔ اور بے شمار احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن وجوب زکوٰۃ کے ساتھ بھی ایک شرط لگی ہوئی ہے اور وہ ہے ”صاحب نصاب ہونا“، پس اگر کوئی شخص جان بوجھ کر صاحب نصاب نہ ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ دے دے تو وہ فعلِ حرام کا مرتكب ہو گا اور اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا۔ اگرچہ اس نے زکوٰۃ دی ہے، کوئی بُرا کام نہیں کیا۔

جہاد

جہاد اسلام کا ایک انتہائی اہم رکن ہے۔ اللہ نے قرآن میں جہاد فرض کیا ہے اور بے شمار احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن جہاد کے ساتھ بھی ایک شرط لگی ہوئی ہے۔ اور وہ شرط یہ ہے کہ ”بغير حکمِ امام جہاد نہیں ہو سکتا“۔ پس اگر کوئی شخص بغیر حکمِ امام وقت جہاد کیلئے نکل کھڑا ہو تو وہ فعلِ حرام کا مرتكب ہو گا اور اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا اور حرام موت مرے گا۔ اگرچہ اس نے جہاد کیا ہے، کوئی بُرَا کام نہیں کیا۔

بالکل یہی صورت نمازِ جمعہ کی بھی ہے

نمازِ جمعہ

اللہ نے قرآن مجید میں نمازِ جمعہ کو فرض قرار دیا ہے اور بے شمار احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن نمازِ جمعہ کے ساتھ بھی چند شرائط لگی ہوئی ہیں جو ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:-

- ۱۔ امام کی حکومتِ ظاہری کا زمانہ ہو۔ (من لا يحضره الفقيه ج ۱۔ حدیث ۱۲۲۲)
- ۲۔ کم از کم سات نفر مولین موجود ہوں۔ (من لا يحضره الفقيه ج ۱۔ حدیث ۱۲۲۳)
- ۳۔ جس شہر میں نمازِ جمعہ پڑھائی جا رہی ہو وہاں حدودِ الہی جاری کئے جاتے ہوں۔ (وسائل الشیعہ ج ۵۔ صفحہ ۳۹۔ باب ۳۔ حدیث ۲)
- ۴۔ انسان بہت زیادہ بوڑھا نہ ہو۔ ۵۔ مسافر نہ ہو۔ ۶۔ عورت نہ ہو۔ ۷۔ مریض نہ ہو۔ ۸۔ اندھا نہ ہو۔ ۹۔ مقامِ نمازِ جمعہ سے تقریباً دس کلومیٹر یا اس سے زائد فاصلے پر نہ ہو۔

ہو۔ (من لا تحضره الفقيه ج ۱۔ حدیث ۱۲۱۹)

چونکہ آجکل کے زمانے میں شرط نمبر اور ۳ پوری نہیں ہوتیں اس لئے جب تک ہمارے امام کا ظہور نہ ہو جائے اور ان کی ظاہری حکومت قائم نہ ہو جائے اور حدود الہی کا اجراء شروع نہ ہو جائے اس وقت تک شرعی اعتبار سے نمازِ جمعہ ساقطر ہے گی۔

اہم ترین بات جسے ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ امامت و خطبہ نمازِ جمعہ صرف اور صرف امام کا حق ہے اور اگر کوئی شخص امام کی جگہ خود یہ نماز پڑھانے کھڑا ہو جائے تو وہ غاصبِ حق امام ہو گا۔ چنانچہ امام زین العابدین نے مندرجہ ذیل قسم کے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے:-

۱۔ جو امام کی جگہ خود یہ نماز پڑھانے کھڑا ہو جائے (یعنی حق امام غصب کرے)

۲۔ وہ جو ایسے غاصب شخص کے پیروکار ہوں یعنی اس کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھتے ہوں۔

۳۔ وہ جو نہ تو نمازِ جمعہ پڑھاتے ہوں اور نہ پڑھتے ہوں مگر مندرجہ بالا لوگوں سے راضی و خوشنود ہوں۔

حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے صحیفہ کاملہ میں امام زین العابدین کی دعا بعنوان ”وہ دعا جو آپ عبید الاٹھی اور جمعہ کے روز پڑھا کرتے تھے“۔

پس اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مندرجہ بالا شرائط پوری ہوئے بغیر نمازِ جمعہ پڑھے گا تو وہ فعلِ حرام کا مرتكب ہو گا اور اللہ کا نافرمان اور غاصبِ حق امام گھبرے گا۔ اگرچہ اُس نے نماز پڑھی ہے، کوئی بر اکام نہیں کیا۔

اس عبارت میں ہم نے نمازِ جمعہ کی شرط اول ”حکومتِ ظاہری معمول“، لکھی ہے تو اس کا مأخذ من لا تحضره الفقيه جلد اول کی حدیث ۱۲۲۲ ہے اور دوسرا حدیث وسائل الشیعہ ج ۵

صفحہ ۳۹ باب ۳ کی حدیث ۲ ہے۔ جو ہم آپ کے لئے نقل کرتے ہیں:-

ا۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ ”اگر سات نفر مولین کی تعداد ہے تو نماز جمعہ واجب ہے اور

اس سے کم تعداد پر واجب نہیں ہے۔ ا۔ امامؐ۔ ۲۔ قاضی۔ ۳۔ مدعیؐ۔ مدعی علیہ۔

۴، ۵۔ دو گواہ۔ ۷۔ وہ جو امامؐ کے سامنے حد جاری کرئے۔

۲۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔ ”نماز جمعہ نہیں ہوتی مگر اس شہر میں جس میں حدودِ الہیہ جاری

کئے جاتے ہیں“۔

حشمت صاحب نے من لا حضرہ الفقیہ والی حدیث اول تو آدھی لکھی ہے اور جن سات لوگوں

کی امامؐ نے شرط لگائی ہے اسے غالب کر دیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ”کچھ لوگوں نے

یہاں ”امام“ سے مراد ”امام معموص“ لیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ محض اشتباہ ہے، غلط فہمی

ہے۔ یہاں اس ”امام“ سے مراد پیش نماز ہے۔ (اسرار الحقائق صفحہ ۱۰۷)۔ حدیث آپ

پڑھ چکے ہیں۔ اب حشمت صاحب کی عقول پر ماتم کریں اور سوچیں کہ کیا ایک پیش نماز

حدودِ الہی جاری کر سکتا ہے؟۔ اس حدیث میں قاضی کے تقریر اور امامؐ کے حکم سے حدودِ

الہی جاری کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں امامؐ کی حکومت ظاہری مراد ہے۔ کیونکہ اگر

حکومتِ ظاہری نہ ہو تو امامؐ نہ تو قاضی کا تقریر کر سکتے ہیں اور نہ حدودِ الہی جاری کر سکتے ہیں

کیونکہ حکومت کوئی بھی ہو، وہ کبھی کسی کو متوازی حکومت قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور

اس سے ایک فسادِ عظیم پیدا ہونے کا امکان ہے۔ حشمت صاحب نماز جمعہ پڑھوانے کیلئے غالباً

طالبان کی شریعت لانا چاہتے ہیں اور حکومت وقت سے ٹکراؤ کی صورت حال پیدا کرنا چاہتے

ہیں۔ اسی سلسلے میں وہ صفحہ ۱۱ پر حرج عاملی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”جن احادیث میں (جمعہ

سے متعلق) لفظ امام وارد ہے اس سے امام معصوم مراد نہیں ہے بلکہ اس سے امام جماعت مراد ہے۔ صرف اس میں عام نماز پڑھانے سے زیادہ شرط یہ ہے کہ وہ دو خطبے پڑھ سکے اور وہاں کوئی خوف و خطر بھی نہ ہو۔ آپ جانتے ہیں نماز جمعہ نماز ظہر کا بدل ہے، یعنی نماز جمعہ پڑھ لینے سے نماز ظہر خود بخود ادا ہو جاتی ہے۔ ظہر کی چار رکعات ہوتی ہیں اور جمعہ کی دو رکعات۔ دور رکعات چار رکعات کا بدل کیسے ہو سکتی ہیں؟ تو جان لیجئے کہ دور رکعات کی کمی خطبہ جمعہ پوری کرتا ہے یعنی خطبہ جمعہ دور رکعت نماز کے برابر ہوتا ہے۔ کیا کوئی معمولی عقل رکھنے والا بھی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک جائزہ الخطاء غیر معصوم پیش نماز کا خطبہ دور رکعت نماز کے برابر ہو جائے گا؟

حکومت ظاہری امامؐ کی شرط کو خود حشم صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ذیل میں ان کی کتاب کے صفحہ ۹۹ تا ۹۵ سے ہم چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں تا کہ آپ کو اطمینان ہو جائے۔
۱۔ ”رسولؐ کے بعد آپؐ کے خلیفۃ بلا فصل علیؐ کو ظاہری خلافت سے محروم کر دیا گیا۔ اسی طرح نماز جمعہ و عیدین کی اقامت جو آپؐ سے مخصوص تھی، سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔“

(صفحہ ۹۵)

ہمارا سوال حشم صاحب سے یہ ہے کہ اگر مولا علیؐ کو ظاہری خلافت سے محروم کر دیا گیا تھا تو انؐ کو کیا امر مانع تھا کہ وہ اپنے پیروکاروں کو جمع کر کے جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا دیا کرتے؟۔ لیکن انہوں نے نہیں پڑھائی کیونکہ حکومت ظاہری انؐ کے پاس نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ و عیدین مشروط ہیں حکومت ظاہری امامؐ سے۔
۲۔ ”کیونکہ امامت نماز جمعہ و عیدین مخصوص ہے امام سے (یہاں حشم صاحب نے خود

تسلیم کر لیا ہے کہ امام سے مراد امام مخصوص ہے)۔ جبکہ نماز جمعہ اور نماز عیدین کے اجتماع باقاعدگی سے ہوتے رہے مگر اس (خلافتِ ثالث) کے تینوں ادوار میں حضرت علیؓ کی ایک بھی نماز جمعہ یا عیدین کی امامت ثابت نہیں ہے..... خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے عامۃ المسلمين کے لئے سب نمازوں کی امامت فرمائی،”۔ (صفحہ ۹۶)

۳۔ المختصر اکٹھ (۲۱) بھری سے لیکر پچانوے (۹۵) بھری تک اس سالہ زندگی میں جو حضرت سجادؑ نے ہر قسم کے اجتماعات ہٹ کر تھا گزاری ہے اور یہ دیکھا جائے گا کہ اس سالہ دور میں برسرِ اقتدار اور مسندِ خلافت پر کون بیٹھا تھا؟،” (صفحہ ۹۷)

۴۔ ”مقصد یہ ہے کہ نماز جمعہ اور نماز عیدین کے شرائط و جوب میں سے ایک شرط حضورِ امام بھی ہے اور درصورتیکہ یہ شرف نہ پائی جائے تو وجوب باقی نہ رہے گا،”۔ (صفحہ ۹۹)

یہاں پھر حشم صاحب نے ڈنڈی ماری اور شرطِ وجوب نماز جمعہ و عیدین ”حضورِ امام“ کو قرار دیا۔ حالانکہ خود ہی لکھ چکے ہیں کہ مولا علیؑ، مولا حسنؑ، مولا حسینؑ اور مولا زین العابدینؑ اگرچہ موجود تھے لیکن نمازِ جمعہ و عیدین نہیں پڑھاتے تھے۔ حشم صاحب لوگوں کو آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے اپنے بیان سے مکر گئے اور ”خلافتِ ظاہریِ امام“ کو ”حضورِ امام“ سے بدل دیا۔ لیکن اس مکرنے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ ان کا اقبالی بیان پہلے ہی موجود ہے۔ اب حشم صاحب یہ فرمائیں کہ جب ان دونوں نمازوں کا وجوب مشروط ہے حکومتِ ظاہریِ امام سے تو کیا آج کل امامؓ کی ظاہری حکومت موجود ہے؟۔ اگر نہیں ہے تو نماز جمعہ و عیدین کیسے واجب ہو گئیں؟۔ حشم صاحب سچ سچ بتائیں کہ وہ آج کے زمانے میں نمازِ جمعہ عیدین کا وجوب ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے دے رہے ہیں، یہ

جانتے بوجھتے کہ ان نمازوں کی شرط حکومت ظاہری امام ہے۔ تو کیا وہ امام سے مراد خمینی کو تو نہیں لے رہے؟

حکومت ظاہری امام کی شرط کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ اہلسنت میں بھی ان نمازوں کیلئے اولی الامر کی شرط موجود ہے۔ لیکن چونکہ ان کے نزدیک ہر حکمران اولی الامر ہوتا ہے اس لئے ان کی نمازوں میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔ لیکن جب انگریز راج آیا تو اہلسنت نے نماز جمعہ بند کر دی کیونکہ وہ کافر کو اولی الامر مانے کیلئے تیار نہ تھے پھر انگریز نے چند بااثر مولویوں کو خریدا اور ان سے فتوے دلوائے تب یہ نماز دوبارہ جاری ہوئی۔

حشم صاحب کی شخصیت بھی عجیب چوں کا مرفع ہے۔ اللہ و رسول گی بات تو وہ مانتے نہیں، ان کے نزدیک تو جو کچھ ہے وہ مجتہد ہے چاہے وہ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کرتا ہو۔ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ وہ مجتہد بھی اپنی مرضی کا چاہتے ہیں۔ جو مجتہدان کی پسند کے مطابق بات کرے وہ اچھا ہے اور جو مجتہدان کی پسند کے خلاف بات کرے وہ برا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں۔ ”ہمارے قریب تمام جامع الشرائع فقهاء و مجتہدان کرام واجب الاحترام ہی نہیں بلکہ ان کے فتاویٰ کو واجب العمل سمجھتے ہیں، وہ چاہے واجب عینی کا فتویٰ دیں یا واجب تحریری کا، حتیٰ کہ اگر کوئی مستحب بھی کہے تو قدر کریں گے۔ مگر جو نماز جمعہ کو کسی بھی زمانے میں حرام قرار دے، ہم اس کی بھرپور مذمت اور مخالفت کریں گے وہ چاہے کوئی بھی ہو کیونکہ نماز جمعہ و عیدین کو کسی بھی زمانے میں حرام قرار دینا قرآن اور اہلبیتؐ کے خلاف ہوگا۔“ یہاں انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بُت خانے کو ڈھادیا ہے اور مجتہد کو تمام علوم کا سرچشمہ کہنے کے باوجود یہاں میں السطور یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ خود حشم صاحب مجتہدان سے زیادہ قرآن و اہلبیتؐ کو جانتے ہیں اور وہ ہر

مجتهد کو اپنی معلومات کی کسوٹی پر پڑھیں گے۔ حشم صاحب اگر واقعی وہی کچھ مانتے ہیں جو انہوں نے لکھا ہے تو پھر انہیں ہماری بات کی بھی تائید کرنا چاہیے اور جب ہم یہ کہیں کہ ”قرآن والہلیت“ کے خلاف جو بھی فتوی دے اُس کی بات ہم نہیں مانتے، تو حشم صاحب کو ناراض ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے۔

نماز جمعہ و عیدین کے معاملے میں مجتهدین کے درمیان شدید اختلافات موجود ہیں۔ پہلا اختلاف تو خود ان نمازوں کی نوعیت میں ہے یعنی۔

۱۔ یہ واجب یعنی ہے؟۔

۲۔ واجب تحریری ہے؟۔

۳۔ یامستحب ہے؟۔

اس بات کو معمولی نہ سمجھیں۔ اللہ نے جس چیز کی جو حیثیت معین کی ہے وہ اُنل ہے جسے کسی بھی حالت میں، کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی علت کے تحت تبدیل نہیں کیا جاسکتا اور جو شخص ایسا کرے گا وہ شریعتِ خدا میں تغیر و تبدل کا مجرم ہوگا۔

نماز جمعہ کو اللہ نے اگر واجب یعنی قرار دیا ہے تو یہ قیامت تک اپنی شرائط کے ساتھ واجب یعنی ہی رہے گا اور کسی مائیٰ کے لعل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کے قرار دینے ہوئے واجب یعنی کو واجب تحریری یا مستحب بنادے۔ یہ اللہ سے بغاوت ہے جس کی سزا وہی ہے جو قرآن میں تحریف کرنے والے کی ہو سکتی ہے۔

دوسرा اختلاف یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد نمازِ ظہر پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے؟۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نماز جمعہ نمازِ ظہر کا بدل ہے اس لئے نمازِ جمعہ کے بعد ظہر نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن مجتهدین کے فتوے اس میں جدا جدا ہیں۔ خوبی اور سیستانی کہتے ہیں کہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

خمنی، لنکر انی اور خامنہ ای اصرار کرتے ہیں کہ بر بناء احتیاط پڑھنی چاہیے۔ آپ خود سوچئے کہ احتیاط وہاں کی جاتی ہے جہاں کوئی ڈر ہو، خوف ہو یا شک ہو، نماز جمعہ میں کون سا ڈر، خوف یا شک پڑ گیا ہے کہ یہاں احتیاط لازمی ہو گئی؟۔ اور یہیں فیصلہ کرنا چاہیے کہ غیبتِ امام سے کوئی نہ کوئی فرق تو ضرور پڑا ہے ورنہ اس معاملے میں مجتہدین یوں دست و گریبان نہ ہوتے اور احتیاط واجب اور احتیاط لازم وجود میں نہ آتی۔ غیبتِ امام کے وقت سے لے کر آج تک بہت سے مجتہد ایسے ہیں جنہوں نے غیبتِ امام کے دوران نماز جمعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ ان میں سے نو مجتہدوں کے نام ہم نے کشف الحقائق میں لکھے ہیں چند اور نام یہاں بھی لکھیں گے۔ لیکن مقلدین کا یہ روایہ عجیب ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھوڑھو۔ انہیں دراصل خمنی اور خامنہ ای کی حکومت کو تسلیم کرانا ہے اسلئے بڑے مجتہدین کو بھی رد کرتے ہیں بلکہ مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے سیاسی عزائم میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ کیا ان کو پتہ نہیں کہ سارے مجتہدوں کے پیر و مرشد سید مرتضیٰ بھی نماز جمعہ کی حرمت کا فتویٰ دیتے تھے؟۔ قصص العلماء میں بھی ایسے مجتہدوں کا ذکر موجود ہے اور انہوں نے متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ ”بعض فضلاء نے نماز جمعہ کو حرام قرار دیا ہے۔“

صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔ ”شیخ سلیمان بن راشد کی تالیفات میں امام زمانہ کی غیبت میں نماز جمعہ کی حرمت میں رسالہ ہے۔“

صفحہ ۳۵ پر فرماتے ہیں۔ ”شیخ ابراہیم بن سلیمان نے غیبتِ امام میں نماز جمعہ کے حرام ہونے کے بارے میں رسالہ لکھا ہے۔“

صفحہ ۲۷۵ پر خود اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”نہ صاحب کے مؤمنین نے ہماری خاطر

ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ وہاں ہم نمازِ جماعت پڑھتے تھے مگر نمازِ جمعہ نہیں،“۔

ہم نے تمام شوادر آپ کے سامنے رکھ دیئے اور امید رکھتے ہیں کہ نمازِ جموعہ و عیدین کے بارے میں اب کوئی شک یا شبہ باقی نہ رہا ہوگا۔ حشم صاحب سے صرف اتنا پوچھ لجئے کہ متقدِین و متاخِرینِ مجتہد کیا بالکل تھے جنہیں مسئلہ نمازِ جموعہ و عیدین کے بارے میں اتنا علم بھی نہیں تھا جتنا حشم صاحب کو ہے؟

یہ مسئلہ الحمد للہ طے ہو گیا۔ اب آخر میں ایک احتمانہ شہبے کا ذکر کر دیں جو حشم صاحب نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔ ”تمام کتابوں میں نمازِ جموعہ و عیدین کے احکام درج ہیں اور ان کے باقاعدہ ابواب قائم کئے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نمازِ جموعہ و عیدین کا زمانہ غیبت سے کوئی تعلق نہیں۔ نمازِ جموعہ مخصوص شرائط و حدود کے ساتھ زمانہ رسالت مآب سے لیکر قیامت تک واجب ہے اور نمازِ عیدین مستحب“۔

حشم صاحب پہلی غلط فہمی تو یہ دور کر لیں کہ نمازِ جموعہ و عیدین کا کوئی تعلق زمانہ غیبت سے نہیں ہے اور اس سلسلے میں اپنے پسندیدہ مجتہدین سے مشورہ کر کے کوئی رائے قائم کریں۔ جہاں تک مخصوص شرائط و حدود کا تعلق ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ نمازِ جموعہ و عیدین کی شرائط پوری نہیں ہو رہیں۔ حشم صاحب میں اگردم ہے تو شرائط پوری کر کے دکھائیں۔ ہاں ان کے دل میں یہ بات ضرور ہو گی جسے وہ چھپانا چاہ رہے ہیں کہ خمینی اور خامنہ ای کی حکومت ہی امام زمانہ کی حکومت ہے، تو یہ کفر و ضلالت انہی کو مبارک ہو۔ تیسرا یہ کہ نمازِ عیدین

واجب عینی ہے، مستحب نہیں۔ اس واجب کو مستحب ان کے مطلق العنان مجتہدوں نے بنایا ہے۔ رئی یہ بات کہ اس کے احکام تمام کتابوں میں درج ہیں تو کتابوں میں تو جہاد کے احکام بھی درج ہیں۔ حشم صاحب جہاد بھی تو کر کے دکھائیں اور وہ بھی بغیر حکمِ امام!۔

محمدؐؒ، فقیہ اور مجہتدؐؒ

ہم کشف الحقائق میں ان امور پر بہت تفصیل سے گفتگو کرچکے ہیں اور عرض کرچکے ہیں کہ بعض الفاظ کے دو معنی ہوا کرتے ہیں، لفظی اور اصطلاحی اور ہر مقام پر کسی بھی ایسے لفظ کے معنی اس کے محلِ استعمال کو دیکھ کر طے کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر حشم صاحب نے حضرتِ صاحب الزمانؐ کا ایک فرمان نقل کیا جو انہوں نے امام حسینؑ کے بارے میں ارشاد کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ”امام حسینؑ اطاعتِ خدا میں مجہد تھے“۔ یہ جملہ نقل کر کے حشم صاحب نے خوب بغلیں بجا تیں کہ ”دیکھا! ہم نے کلامِ معصومؐ میں لفظ ”مجہد“ دکھادیا“۔ حالانکہ کوئی احمدؐ سے احمدؐ انسان یہ نہیں کہے گا کہ یہاں وہ مجہد مراد ہے جو ظنی اور قیاسی فتوےٰ صادر کرتا ہے اور جس کو خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُس نے صحیح فتویٰ دیا ہے یا غلط۔ بلکہ واضح طور پر یہاں مجہتد سے مراد اس کے لفظی معنی ہیں یعنی انتہائی کوشش کرنے والا، جغاکش، شدید مشقت اٹھانے والا اور اس معنی میں تو یہ لفظ قرآن و حدیث دونوں میں استعمال ہوا ہے لیکن حشم صاحب کا گمان ہے کہ مقلدین نے عام طور پر ہماری کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا اور اسی ناواقفیت کا فائدہ انہوں نے اٹھایا ہے اور جگہ جگہ ناواقفوں کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

یہ الفاظ یعنی محمدؐؒ، فقیہ اور مجہتد قطعاً جدا جدا جدا معنی رکھتے ہیں۔ لفظی اعتبار سے بھی اور اصطلاحی طور سے بھی لیکن حشم صاحب نے ان تینوں کو ہم معنی بنادیا ہے جیسا کہ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں۔ ”ہم میں سے وہ کوئی شخص ہے جو حق و باطل و صدق و کذب، عام و خاص، مکالم و متشابہ، حفظ و وہم میں تفریق کر کے بتائے سوائے ماہر حدیث یعنی محمدؐؒ و فقیہ

مجتہد کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکے گا۔ اسی طرح صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے۔ ”بہر حال یہی ہیں وہ احکام اہلیت جس کو کوئی عام آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ احکام وہی سمجھ اور سمجھا سکتا ہے جو احادیث کا ماءہ ہو یعنی محدث، فقیہ اور مجتہد ہو۔

محدث

میانِ حدیث میں پہلا شخص راوی ہوتا ہے جو معصوم سے سنتا ہے اور لوگوں سے بیان کرتا ہے جیسا کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”راوی سے مراد وہ شخص ہے جو ہماری حدیث کو سنتا ہے اور اس کو اُسی طرح تم لوگوں کو سنتا ہے جس طرح اس نے سنائے۔ نہ اس میں کچھ بڑھاتا ہے اور نہ اس سے کچھ گھٹاتا ہے۔“ (منیۃ المرید صفحہ ۳۱۲)

محدث وہ ہوتا ہے جو راوی سے حدیث سنتا ہے، قرآن کے معیار پر اسے پرکھتا ہے اور پھر کتابی صورت میں احادیث کو جمع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کا کوئی تعلق مجتہد اور اجتہاد سے نہیں ہوتا بلکہ اس کیلئے صرف فہم دین کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف مومن میں ہوتی ہے چاہے وہ بظاہر صاحب علم نہ ہو لیکن یہ اس کو اللہ کی عطا ہوتی ہے کہ دین کے بارے میں جو کچھ سنتا ہے فوراً اس کی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کا تو تعلق خالصتاً ایمان سے ہے، پگڑی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ امام رضا فرماتے ہیں۔ یقیناً میں پسند کرتا ہوں کہ مومن محدث ہو۔“ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ کون اسی چیز محدث بناتی ہے؟ امام نے فرمایا۔ ”فہم و فراست۔“

فقہ

حشمت صاحب نے فقہ سے وہی کچھ مراد لیا ہے جو اجتہادی حلقوں میں مشہور ہے، یعنی فروع

دین کے مسائل کا علم۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے بر عکس ہے۔ ہم نے کشف الحقائق اور کشف المسائل میں اس موضوع پر ضروری گفتگو کی ہے لیکن یہاں ہم تفصیلی گفتگو کریں گے۔ حشم صاحب نے ”میزان الحکمت“ سے کئی حوالے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب موصوف کو بہت پسند ہے۔ اسی لئے پہلا حوالہ ہم اسی کتاب سے اخذ کر رہے ہیں تاکہ حشم صاحب کی طبیعت خوش ہو جائے۔

میزان الحکمت۔ جلد ۷۔ صفحہ ۷۵۵ تا ۷۵۷

”تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مذموم علوم کے شرعی علوم کے ساتھ مشتبہ ہو جانے کا اصل سبب ان پسندیدہ اور قابل تعریف ناموں میں تحریف و تبدیلی ہے جو غلط و مذموم مقاصد کے پیش نظر ان ناموں کو منتقل کر کے ان علوم پر بولے جانے لگے ہیں جس کو سلف صالحین اور قرون اولیٰ کے بزرگ استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ پانچ ہیں۔ فقہ، علم، توحید، تزکیہ اور حکمت۔ یہ بہت اچھے اور قابل تعریف نام ہیں اور ان سے متصف افراد کا دین میں بہت بڑا مقام ہے لیکن اب یہ نام مذموم معانی میں منتقل ہو چکے ہیں اور جو لوگ ان سے متصف ہیں، طبیعت ان کا نام سن کر نفرت کرنے لگتی ہے۔ استعمال اب عام ہو چکا ہے۔

ان میں پہلا لفظ ”فقہ“ ہے اس میں انہوں نے اپنی طرف سے تخصیص کر کے اسے فروع دین کے عجیب و غریب فتوؤں، ان کی دقيق علل و اسباب کے جانے، ان میں زیادہ گفتگو کرنے اور ان سے متعلقہ مقالات حفظ کرنے کیلئے مختص کر دیا ہے جبکہ شرعی طور پر یہ لفظ اس قسم کے معنی کیلئے استعمال نہیں ہوا، نہ منقول ہو کر اور نہ ہی تبدیل ہو کر،

بلکہ صورتحال تو یہ ہے کہ جو شخص بھی غیر منقول اور منحصر معانی کے لحاظ سے مذکورہ معانی میں زیادہ گھرائی میں جائے گا اور ان سے زیادہ سے زیادہ لگا و رکھے گا وہ فقیہ نہیں بلکہ ”افقة“ (بہت بڑا فقیہ) کہلاتے گا۔ حالانکہ عصر اول میں لفظ فقہ مطلق طور پر آخرت کی راہوں کو جاننے، نفوس کی آفات کے دقائق کو سمجھنے، الحال کے مفاسد کی وجہات سے باخبر ہونے، دنیا کی تھمارت کو پوری طرح سمجھنے، آخرت کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ مطلع ہونے اور دلوں پر خوفِ خدا کے مسلط کرنے کا نام ہوتا تھا۔ چنانچہ اس لفظ کے ان معانی پر استعمال کیلئے خداوند عالم کا یہ قول آپ کی رہنمائی کرتا ہے۔ ”(توبہ ۱۲۲) یعنی چھوٹی سی جماعت دین کا علم حاصل کرے اور جب اپنی قوم میں پلٹ کر آئے تو ان کو ڈرائے۔ جس علم سے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اور ان کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کیا جاتا ہے وہ یہی علم فقه ہے۔ طلاق، لعان، مسلم اور اجارہ وغیرہ کی تعریف کو جاننے کا نام فقہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان چیزوں سے تو لوگوں کے دل میں خوفِ خدا کو دور کر دیتا ہے جیسا کہ اس کے معانی اپنائے والوں میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے خداوند عالم فرماتا ہے۔ ”لَهُمْ قلوبٌ لَا يَقْتَهُونَ بِهَا“، یعنی ان کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے سمجھتے نہیں، ”اعراف ۱۷۹)۔ یہاں فقہ سے اللہ کی مراد ایمان ہے نہ کہ فتاویٰ۔ (افتباش جاری ہے) حقیقت یہ ہے کہ فقہ اور فہم لغوی طور ایک ہی معنی کیلئے دو مختلف الفاظ ہیں اور جدید و قدیم استعمال میں اسی معنی کیلئے بولے جاتے ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے (حشر ۱۳) ”ان کے دلوں میں خدا سے زیادہ تم لوگوں کا خوف ہے، یہ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھنہیں رکھتے“، چنانچہ اللہ سے بے خوفی اور مخلوق کی قوت کو بہت بڑا سمجھنے نے ان کے دلوں میں یہ تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ وہ

سوجھ بوجھ اور سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ فتاویٰ اور فقہاء کے فرعی مسئللوں کی حفاظت نہ کرنے کا نتیجہ ہے یا ان علوم کی رعایت نہ کرنے کا جن کے بارے میں ہم ابھی بتا چکے ہیں؟۔ اس ساری تعریف میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ فتاویٰ کے فروعات کا حفظ کرنے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ احکام ظاہری میں فتاویٰ پر لفظ فقه کا استعمال نہیں ہوتا۔ یقیناً ہوتا ہے لیکن عموم و شمول کے لحاظ سے یا پھر ثانویٰ حیثیت سے ہوتا ہے۔ جبکہ بطور مطلق اس کا استعمال واطلاق آخرت کے علم اور قلب کے احکام پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس تخصیص کو بعض لوگوں نے تلپیس سے کام لیتے ہوئے خلط ملط کر دیا۔ اس کا اطلاق مذکورہ چیزوں پر کرنے لگ گئے اور آخرت کے علم اور قلب کے احکام پر اطلاق سے اعراض کر لیا۔ ان کی اپنی ذاتی رائے اس بات کیلئے معاون و مددگار ثابت ہوئی کیونکہ باطنی علم بہت گہرا ہوتا ہے، اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے حکومت، قضا اور جاہ و مال کا حصول آسان نہیں ہوتا۔ اسی لئے شیطان کو موقع مل گیا اور اس نے فقہ کے شرعی وقابل ستائش لفظ کو ان چیزوں کیلئے خوبصورت کر کے دلوں میں ڈال دیا اور لوگ اسے اس کے اصل معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی میں استعمال کرنے لگ گئے۔ (اقتباس جاری ہے)

المبتدىء البىهار جلد اول صفحہ ۸۲ تا ۸۳۔ شہید ثانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ "منیۃ المرید" میں فرماتے ہیں۔ "فقط ان مردِ مُرُّون مسائل کا علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم فقہ نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک اس کے جلال و عظمت کا دراک ہی علم فقہ ہے..... جس علم سے انذار یعنی دوسروں کو ڈرایا جاسکتا ہے وہ اس مردِ مُرُّون علم کے علاوہ ہے جسے آج کل کی

اصطلاح میں ”علم فقہ“ کہتے ہیں۔ (اقتباس ختم ہوا)

ہمیں امید ہے کہ حشم صاحب اب ”میزان الحکمت“ اور ”منیۃ المرید“ کا جواب بھی ضرور لکھیں گے مگر جواب لکھنے وقت یہ دھیان ضرور رکھیں کہ یہ دونوں بہت زبردست مجہتد تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ لفظ ”فقہ“ کے معنی کیا ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ ”قلیل الفقه خیر من کثیر العبادۃ“، یعنی تھوڑا اسا غور و فکر کشیر عبادت سے بہتر ہے۔ (میزان الحکمت۔ جلد ۱ صفحہ ۵۶)

جہاں تک حشم صاحب کے بیان کردہ فقہ کا تعلق ہے تو ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ ابوحنیفہ کی ایجاد ہے جس کے اصول شافعی نے تصنیف کئے تھے۔ حشم صاحب نے اس بات پر بڑا اُودھم مچایا ہے اور ہمیں بہت برا بھلا کہا ہے لیکن شاید ان کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ہے یا پھر انہوں نے اعتراض کرنے سے پہلے کسی مجہتد سے مشورہ نہیں لیا۔ اگر لیتے تو وہ ہرگز انہیں شور مچانے کی اجازت نہ دیتے اور انہیں یہ بات کہنے کی اجازت نہ دیتے کہ اصول فقہ (معاذ اللہ) انہمہ طاہرین نے تعلیم دیئے ہیں۔ یہاں ہم شہید مرتضیٰ مطہری کی کتاب ”سخن“ سے یہ بتاتے ہیں کہ اصول فقہ کس نے ایجاد کئے اور شیعوں میں سے کس نے انہیں پروان چڑھایا۔

”امام شافعی کی مشہور کتاب ”الرسالہ“ اصول فقہ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔“ (سخن صفحہ ۹۶)

”شیخ انصاری (شہید مجہتد) نے علم اصول فقہ کی مضبوط بنیاد رکھی تھی۔“ (سخن صفحہ ۱۰۵)

شہید مرتضیٰ مطہری صفحہ ۱۲۶ پر مزید لکھتے ہیں۔ ”ایک زمانہ تھا کہ فقہ بہت محدود تھی جب ہم شیخ طوی سے پہلے کی کتابیں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم اس قدر محدود اور مختصر تھا۔

شیخ طوی نے ”مسبوط“ کے نام سے کتاب لکھی تو فقہہ کا ایک نیا دور شروع ہوا..... تقریباً ۱۰۰ سال قبل صاحب جواہر کو فقہہ کا ایک مکمل نصاب تیار کرنے میں کامیابی ہوئی صاحب جواہر کے بعد شیخ مرتضیٰ النصاری نے ایک نئی فقہہ کی بنیاد ڈالی جس کا نمونہ مرحوم کی کتاب مکاسب اور کتاب طہارت ہے۔

یہ کیا ہوا حشم صاحب؟۔ آپ جس فقہہ کا ڈھنڈ و را پیٹ رہے تھے وہ تو ابھی ڈیر ڈھنڈ سو سال کی بھی نہیں ہوئی؟۔ اور یہ بھی ہم بتا دیں کہ جس مکتب فکر سے حشم صاحب کا تعلق ہے اس میں فقیہہ بننے کیلئے پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں اور کبھی کبھی عمامہ اور عباقرا پہن لینے یا کسی مجتهد کا بیٹا یا پوتا ہونے کی وجہ سے بھی انسان فقیہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ قصص العلماء صفحہ ۱۸۸ پر ”شیخ جعفر رنجفی کا شف الغطاء“ کے بارے میں لکھا ہے کہ ”ان کے خاندان کے تمام لوگ، مرد اور خواتین، سبھی نقیہ ہوتے ہیں۔ ان کے عام افراد بھی جنہوں نے نہ کبھی درس پڑھا نہ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں لیکن سب کے سب فقیہ اور مسائل فقہہ میں مہارت رکھنے والے ہیں“۔ یہ ہے ان نام نہاد فقہہ کی علمی حیثیت۔ محمد تقی امین اپنی کتاب ”فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر“ میں لکھتے ہیں کہ ”فقہاء نے قرآن حکیم کے اسی حصے سے بحث کی ہے جس کا تعلق فقہی احکام سے ہے اور یہ حصہ متفرق ۵۰۰ آیتوں کے قریب ہے“۔ احادیث بھی ان کو صرف وہ پڑھائی جاتی ہیں جن کا تعلق فقہی احکام سے ہے، اور وہ بھی اس لئے نہیں کہ ان پر عمل کریں بلکہ اس لئے کہ ان میں شنگوں فی چھوڑیں اور اپنے ظن و گمان سے فتوے جاری کریں۔ یہ بات واضح رہے کہ ظن و گمان ان لوگوں کے نزدیک جحت ہے (چاہے اس کے مقابلے میں کوئی حدیث معلوم ہی کیوں نہ موجود ہو)۔ قصص العلماء صفحہ ۷۱ اپر لکھا ہے۔

”علم العلماء شیخ مرتضی شستری انصاری علم اصول میں جیتِ نظر کے قائل تھے“، یعنی نظر اور گمان کو جست سمجھتے تھے جب علم العلماء کا یہ حال ہے تو باقیوں نے کون تھی کسر چھوڑی ہوگی؟۔ ان لوگوں کا کام ڈھنی عیاشی کرنا اور امورِ شریعت میں پھل بھریاں چھوڑنا ہے۔ فرضی مسائل کھڑے کرنا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنا یہی ان کا محبوب مشغله ہے۔ اسی لئے رسول اللہ فرمائے گئے تھے کہ ”میری امت میں ایک قوم ایسی آئے گی جس کے فقهاء ایک دوسرے کو پیچیدہ مسائل پیش کریں گے۔ تو یہی امت کے بدترین لوگ ہوں گے“۔ (منیۃ المرید صفحہ ۲۹۲)

یہ سب جعلی فقهاء ہیں جنہیں حشم صاحب جیسے مریدوں نے آسمان پر چڑھا رکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن فقیہ ہوتا ہے اور فقاہت اسے ہی زیب دیتی ہے۔ جیسا کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ ”مومنین ہی دراصل فقهاء ہیں وہی صاحبان فکر و عبرت ہیں۔ جو کچھ وہ کانوں سے سنتے ہیں وہ انہیں ذکر الہی سے نہیں روکتا اور جوز یہ نت وہ دیکھتے ہیں وہ ان کی آنکھوں کو ذکر خدا سے ناپینا نہیں کرتی“، (میزان الحکمت ج ۳ صفحہ ۸۱۰)

اب ہم فقه کے دو اصولوں یعنی اجماع اور قیاس کی طرف آتے ہیں کیونکہ فقه کے اصل مأخذ یہی دو اصول ہیں۔

اجماع

اس کا مادہ ”جمع“ ہے اور جمع ہونے کیلئے اس سے دو الفاظ نکلتے ہیں۔ اجماع اور اجماع۔ اجماع اُس وقت بولا جاتا ہے جب لوگ جسمانی طور پر کسی مقام پر جمع ہو جائیں۔ اور اجماع تب ہوتا ہے جب فکری اور نظری اعتبار سے سب لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ اور یہ ایک

محالِ عقلی ہے کہ سب لوگ ایک ہی نظر یہ اپنالیں۔ یہاں تک کہ مشہور عالمِ اہلسنت فخر الدین رازی نے بھی تفسیرِ کبیر میں اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ یہ لفظ پہلی مرتبہ سقیفہ میں سنایا۔ اہلسنت نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ یہی وہ واحد تھیار تھا جس کے ذریعے غصب خلافتِ امیر المؤمنین کا جواز پیدا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن شیعہ روزِ اول سے اس لفظ کے دشمن رہے ہیں کیونکہ یہ ابلیس کے ذہن کی پیداوار تھا۔ لہذا عقیدہ ہو یا عمل، شیعوں میں صرف کتاب و سنت پر انحصار کیا جاتا تھا یہ لوگ کس بات پر متفق ہیں، اس بات سے انہیں کوئی مطلب نہ تھا۔ حشم صاحب خواہ کوئی بھی راگ الائپیں لیکن وہ تاریخ کو بدلتی نہیں سکتے۔ شیعوں نے یہ لفظ اہلسنت سے ہی مستعار کیا ہے لہذا دیکھنا پڑے گا کہ اس بارے میں اہلسنت کس طرح سوچتے ہیں۔ یہاں ہم اہلسنت کی مشہور کتاب ”فقہ اسلامی“ کا تاریخی پس منظر، سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ آپ اجماع کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔

۱۔ صفحہ ۱۳۶۔ ”اجماع اس امت کی ضرورت کے پیش نظر بطور اعزاز کے جگہ مقرر کیا گیا ہے (کس نے مقرر کیا ہے یہ معلوم نہیں) کیونکہ رسولِ کریم خاتم الانبیاء تھے اور امت کے سامنے جب ایسی صورت پیش آئے کہ اس میں صریح نص موجود نہیں ہے تو لامحالہ وہ اجتہاد پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہو گی اور اجتہاد میں خطاء کا بھی احتمال ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ اجتہاد خطاء پر ہی ہو۔ ایسی صورت میں جب امت اس پر عمل کرے گی تو ساری امت سے حق کا نکل جانا لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اجماع کو جست بنایا گیا ہے۔“

بنیادی بات آپ سمجھ گئے کہ قیاس ہو یا اجماع، دونوں اسی وقت بروئے کار لائے جاتے ہیں جب قرآن و حدیث میں کسی مسئلے کا حل مجتہد کو نہ ملتا ہو۔ اب حشم صاحب فرمائیں کہ

اس صورت میں سُنی اجماع اور شیعہ اجماع میں کیا فرق ہے؟۔

۲۔ صفحہ ۱۵۱۔ ”اجماع خبر مشہور سے زیادہ قوی جحت ہے۔ جب خبر مشہور سے شخ جائز ہے تو اجماع سے بدرجہ اولیٰ ہوگا۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اجماع میں حدیث معصوم سے زیادہ طاقت ہے اور اس معاملے میں شیعہ اور سُنی مجتہدین متفق ہیں۔ مثال کے طور پر احتجاج طبری کی مشہور حدیث صحیح ہے جسے تمام شیعہ مجتہدین نے تسلیم کیا ہے اور کسی ایک نے بھی اس میں کوئی اشتباہ پیدا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کتاب ”جوہر الكلام“ جو مجتہدین کو کورس میں پڑھائی جاتی ہے، اس میں بھی اس حدیث کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس پر ایک طویل بحث کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ شیعہ مجتہدین کا اجماع اس حدیث کے خلاف ہو گیا ہے اس لئے اسے ایک طرف رکھ دیا گیا کیونکہ بقول اہلسنت ”اجماع خبر مشہور سے زیادہ قوی جحت ہے۔“ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ”اذا قال احدكم لا إله إلا الله و محمد رسول الله فليقل على أمير المؤمنين ولی الله“۔ یعنی تم میں سے کوئی بھی، جب بھی کہے لا إله إلا الله محمد رسول الله تو فوراً بلا فصل کہے على أمیر المؤمنین ولی الله۔ لیکن چونکہ شیعہ مجتہدین نے على ولی الله کے خلاف اجماع کر لیا تھا اس لئے صاحب جواہر الكلام کچھ نہ کر سکے اور صرف یہ کہکرا پنا دامن چھڑالیا کہ ”اگر علماء شیعہ کا اجماع عدم جزئیت پر واقع نہ ہوتا تو دو خصوصیتوں کی شروعیت پر عموم دعوی کی بناء پر جزئیت کا دعوی امکان سے خارج نہیں تھا۔“

۳۔ صفحہ ۱۵۲۔ ”جب مجتہدین نے کسی زمانے میں کسی حکم کا استنباط اور اس پر اتفاق کیا تو اس

زمانے والوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے، اس کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ یہ اجماع اس حکم پر بطور دلیل کے ہے۔

۳۔ صفحہ ۲۷۸۔ ”جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔“

اس جملے میں اگر ”مسلمان“ کی جگہ ”ایرانی“ رکھ دیا جائے تو یہ شیعہ اجماع بن جاتا ہے۔

۵۔ صفحہ ۲۶۶۔ ”جب اجماع ہر دور پر جوت ہوتا ہے تو صحابہ کا اجماع بدرجہ اولی ہو گا۔“
جب حشم صاحب جیسے اندر ہے مقلدوں نے اجماع کو جوت مان ہی لیا ہے تو اب انہیں صحابہ کے اجماع کو بدرجہ اولی جوت بھی مانا پڑے گا کیونکہ اس وقت سنی شیعہ کی کوئی واضح تقسیم موجود نہیں تھی اور صحابہ کو ہی سب کچھ سمجھا جاتا تھا۔ اب حشم صاحب کو تعلیم کرنا پڑے گا کہ صحابہ کا وہ اجماع جس میں خلافت امیر المؤمنین کو غصب کیا گیا تھا، (معاذ اللہ) صحیح تھا۔ اور درحقیقت انہوں نے زبان سے نہ سہی لیکن دل سے ضرور مان لیا ہے۔ اسی لئے اب اذان سے ”وصیٰ رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل“ کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔

ان تمام امور کے پیش نظر شیعہ مجتہدین کے دل میں بھی ایک ہٹک موجود تھی۔ اسے دور کرنے کیلئے انہوں نے ایک نیا پیشتراء بدل اور یہ کھوکھلا موقف اختیار کیا کہ ”اجماع میں معصوم کا پایا جانا معتبر اور شرط ہے۔“ (منیۃ المرید صفحہ ۳۲۰) اللہ کے بندو! اگر معصوم

تمہارے اجماع میں شریک ہوا کرتا تو تمہارے درمیان اختلاف باقی ہی نہ رہتا۔

طرف تماشا یہ ہے کہ جس اجماع کا ڈھنڈو را پیٹا جا رہا ہے اس کی صحیح تعریف بھی آج تک ط نہ ہو سکی یعنی خود اجماع پر بھی اجماع نہ ہو سکا۔ اجماع کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ تمام علماء

کسی بات پر متفق ہو جائیں اور یہ محال عقلی ہے۔ پھر اس تعداد کو کم کر کے ۰۷ کردیا گیا۔ اس سے بھی کام نہ بناتو کم کرتے کرتے اس تعداد کو سات تک پہنچادیا لیکن افسوس یہ بھی ممکن نہ ہوا تو یہ مان لیا گیا کہ اگر تین مجتہد کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اجماع واقع ہو جائے گا۔ مگر تین بدجنت بھی سوائے مخالفت ولایت علیؐ کے کسی اور شے پر متحدا نہ ہوئے۔

قياس

ہماری کوشش ہے کہ ہم مختصرًا ان ضروری امور پر گفتگو کریں جن میں حشم صاحب نے اپنی ناقص معلومات کی بناء پر استباہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ باتیں زندگی بھر آپ کے کام آئیں گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ پہلے دو باتوں کی نشاندہی کر دیں۔ اول یہ کہ شیعوں کو اجماع اور قیاس جیسی مخصوص چیزوں کو اپنے مذهب میں داخل کرنے کی ضرورت کیوں پڑی اور دوسرے یہ کہ حشم صاحب کی اس غلط فہمی کو دور کر دیں کہ عقل، قیاس سے الگ کوئی چیز ہے۔ اور اس کیلئے ہم شہید مرتضیٰ مطہری کی کتاب سخن کے صفحہ ۱۰۰ سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی صورتوں میں شیعہ اس بات کے پابند تھے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی اور اتحاد برقرار رکھیں۔ مثلاً اہل تسنن کے نزدیک اجماع جحت ہے اور وہ اجماع کو بھی قیاس کی طرح ایک اصول اور مأخذ مانتے تھے۔ شیعوں کو یہ بات تسلیم نہیں تھی لیکن وحدت اسلوب برقرار رکھنے کیلئے وہ جس بات کے قائل تھے انہوں نے اس کا نام اجماع رکھ دیا۔ سنی کہتے تھے کہ ادلهٰ شریعہ چار ہیں۔۔۔ کتاب، سنت، اجماع اور اجتہاد یا قیاس۔ انہوں نے (یعنی شیعوں نے) بھی کہا کہ ادلهٰ شریعہ

چار ہیں۔ کتاب۔ سنت، اجماع اور عقل۔ فقط قیاس کی جگہ عقل رکھ دیا۔

آپ نے جان لیا کہ یہ چیزیں یعنی اجماع اور قیاس شیعوں کیلئے قابل قبول نہیں تھیں لیکن حشم جیسے دنیا پرست لوگوں نے محض سینیوں کی خوشامد میں ان چیزوں کو مذہب شیعہ میں داخل کر دیا جس کا بھگتان آج پوری شیعہ قوم بھگت رہی ہے اور حشم صاحب جیسے لوگ شیعوں کی صفوں میں گھس رہے تو آئندہ بھی بھگتی رہے گی۔

قیاس کی تعریف

محمد تقی امین اپنی کتاب ”فقہ اسلامی کا تاریخی پیش منظر“ کے صفحہ ۱۵۵ اپر قیاس کی تعریف یوں لکھتے ہیں۔ ”قیاس کے لغوی معنی اندازہ کرنا، مطابق اور مساوی کرنا ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں علت کو مدار بنا کر سابقہ فصلے اور نظیر کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے۔ ۱۔ حکم اور علت میں فرع (نئے مسئلے) کو اصل (سابق حکم) کے مطابق کرنا۔ ۲۔ دو مسئلوں میں اتحادِ علت کی وجہ سے جو حکم ایک مسئلے کا ہے وہی حکم دوسرے مسئلے کا قرار دینا۔“

یہاں شاید کوئی کہے کہ یہ تعریف تو سُنّت کتاب سے لی گئی ہے، تو عرض یہ ہے کہ جب اصول فقہ سینیوں سے لی جاسکتی ہے تو پھر تعریف لینے میں کیا چیز مانع ہے؟۔ پھر ہم اس کی تصدیق شیعہ مجہند سے بھی کرائے دیتے ہیں۔
ا۔ سخن صفحہ ۱۲۰۔

”بنیادی طور پر اجتہاد کا راز ہی یہ ہے کہ جو احکام کلی طور پر بیان کئے گئے ہیں انہیں جدید مسائل اور بدلتے ہوئے حالات پر منطبق کیا جائے۔ واقعی مجہدوں ہی ہے جو اس

راز پر گرفت پالے اور یہ سمجھ لے کہ حالات کسے بدلتے ہیں اور اس کے نتیجے میں احکام
کسے بدل جاتے ہیں۔

سخن - ۲

”اس وقت بھی ہماری فقہ میں بعض ایسے مسائل ہیں جہاں ہمارے فقہاء نے پورے یقین
سے وجوب کا فتویٰ دیا ہے لیکن صرف ان کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر۔ (یعنی
نظریٰ ضرورت کے تحت وجوب کا فتویٰ دیا ہے نہ کہ حکم شریعت کے تحت)۔ گوکوئی صریح
اور کافی فقہی دلیل موجود نہیں اور نہ قابل اعتماد اجماع کی شکل ہے (یعنی اگر اجماع
ہو جاتا تو وہ حکم شرعی کا بدل بن جاتا اور کسی نص شرعی کی ضرورت نہ رہتی)۔ ان موقعوں پر
فقہاء نے استنباط حکم کیلئے صرف چوتھے مأخذ یعنی عقل (قياس) سے استفادہ کیا
ہے (یعنی قرآن و حدیث میں اس بارے میں کوئی حکم موجود نہ تھا)۔ ایسے مسائل میں ان
کی اہمیت کے پیش نظر اور روحِ اسلام سے واقفیت کی بناء پر کہ اسلام میں کوئی اہم مسئلہ ایسا
نہیں جس کے مطابق کوئی حکم نہ ہو۔ فقہاء تعین کرتے ہیں کہ اس مسئلے میں حکم اللہ ایسا
ہونا چاہیئے۔

ان لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہو کیا اب یہ فیصلہ بھی یہی کریں گے حکم خدا کیا ہونا چاہیئے
اور کیا نہیں ہونا چاہیئے؟۔ حالانکہ امام رضاؑ اس بارے میں فرماتے ہیں۔ ”رسول اللہ نے ہر
وہ چیز جس کی امت کو حاجت تھی بیان فرمائی۔ الہذا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے دین کو مکمل نہیں کیا وہ دراصل کتاب خدا کو رد کرتا ہے اور جو کتاب خدا کو رد کرے وہ
کافر ہے۔“ (عیون اخبار الرضاؑ حصہ اول صفحہ ۳۸۱)۔ نیز آنہنابؑ ہی کا ارشاد ہے کہ

”جس نے یہ گمان کیا کہ خدا نے اپنے دین کو مکمل کئے بغیر ہی چھوڑ دیا تو اس نے کتابِ خدا کو رد کیا اور اس سے کفر کیا۔ کیا لوگ قدِ امامت اور محلِ امامت کو پہچانتے ہیں؟ اور کیا ان کو اس کے متعلق اختیار دے دیا گیا ہے؟“ (کمال الدین و تمام العجمہ حصہ دوم ۶۳۸)۔ اس بارے میں رسول اللہ فرماتے ہیں۔ جس عالم کے پاس ہمارا علم نہیں ہے وہ انکل بچوں مارتا ہے۔ (تفسیر فرات صحیح ۱۷)

مجتہدین جو عذر بیان کرتے ہیں کہ اس دور کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو قرآن و حدیث میں نہیں ملتے تو مندرجہ بالا حدیث میں معصومینؐ نے اسی عذر کا قلع قع کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن مسائل کو بنیاد بنا کر مجتہد اجتہاد، قیاس اور رائے کا سہارا لیتا ہے وہ حقیقی مسائل ہوتے ہی نہیں بلکہ مجتہد کے پیدا کئے ہوئے خیالی اور تصوراتی مسائل ہوتے ہیں جن کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جو ایک عام آدمی کو زندگی کے مختلف مراعل میں درپیش آتے ہیں۔ اس بات کا اعتراض خود اہلسنت نے بھی کیا ہے جو اجتہاد کے موجہ ہیں۔ چنانچہ محمد تقیٰ امین ”فقہہ اسلامی کا تاریخی پس منظر کے صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں۔ ”اس دور میں فقہہ عملی اور واقعی نہ رہا بلکہ ایک حد تک نظری اور تخلیٰ بن گیا۔ یعنی واقعات و مسائل کے پیش آنے سے پہلے فرض کر کے ان کے متعلق احکام بیان کئے جانے لگے۔ ان میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں کہ نسلیں گزر جانے کے بعد بھی شابد ان کی ضرورت نہ ہے۔“

حشمت صاحب نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ شیعہ مجتہدین رائے اور قیاس سے کام نہیں لیتے بلکہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس دعوے کی حقیقت ہم نے گزشتہ اور اق

میں کھول کر بیان کر دی ہے لیکن یہاں ہم حشم صاحب کو ”کلام شاعر بزبان شاعر“ سنوانا چاہتے ہیں تاکہ ”مدعی سست گواہ چست“ کا مطلب صحیح میں آجائے۔
۱۔ فضص العلماء صفحہ ۲۵۔

”محمد بن احمد بن جنید (مجتهدوں کا باوا آدم) قیاس پر عمل کو درست مانتے تھے۔“
۲۔ فضص العلماء صفحہ ۲۳۔

”تتجدد داور رائے مجتهد کے اجتہاد کی خوبی مانی جاتی ہے۔“
۳۔ فضص العلماء صفحہ ۱۶۱۔

”پہلی بات تو یہ کہ بعض مقامات پر تو (یقین) قطعی محال ہے اور اجتہاد و تقلید میں سوائے ظن کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ جیسے اخفافی نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحيم کو جہر سے یا اخفاف سے پڑھنے کا مسئلہ۔ بعض بسم اللہ کے جہر کو واجب جانتے ہیں اور بعض اس کو حرام مانتے ہیں اور بعض مستحب سمجھتے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ جہر ہو یا اخفاف۔ کیونکہ انجام دینے یا ترک کرنے، ہر دو صورت میں خوف عذاب ہے۔ اور آخر میں یہ کہدیتے ہیں کہ دو دفعہ نماز پڑھنی چاہیے، ایک نماز میں بسم اللہ جہر کے ساتھ اور دوسری نماز میں اخفاف کے ساتھ۔“

۴۔ فضص العلماء صفحہ ۱۳۲۔

”مرحوم سید آقا محمد لکھتے ہیں کہ علامہ حلی کے زمانے میں سخت پابندیوں کی وجہ سے مجبوراً استنباط احکام ظن سے کیا جاتا تھا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ ظن کبھی خطاء اور کبھی درست ہوتا ہے۔“

”شیخ احمد نے شرع و حکمت کے قواعد کو اکھٹا کیا اور اپنے تصور میں معقول کو منقول کے مطابق قرار دے دیا اور نتیجتاً ان پر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا گیا کیونکہ اکثر قواعد معقول شریعت کے مطابق ہوئی نہیں سکتے۔“

حشم صاحب! اتنا کافی ہے؟۔ اگر نہیں تو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم یہ خوراک آپ کو مسلسل دیتے رہیں گے۔ لیکن یہاں ہم چند ارشاداتِ مخصوصیں ٹھیک کر رہے ہیں تاکہ دین میں اپنی رائے، اپنا قیاس اور اپنا ظن داخل کرنے کا انجام معلوم ہو جائے۔
۱۔ میزان الحکمت جلد ۸ صفحہ ۲۷۔ رسول اللہ نے فرمایا۔

”اُن لوگوں سے دور رہو جو دین میں قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں، اس لئے کہ ان لوگوں نے اس علم کو ترک کر دیا ہے جو انہیں دیا گیا ہے۔ اور جس کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے اس کیلئے تکلیف میں بڑے ہوئے ہیں۔“

۲۔ میزان الحکمت جلد ۸ صفحہ ۲۷۔ امیر المؤمنین نے فرمایا
”جو شخص اپنے آپ کو قیاس کے ساتھ مختص کرے تو وہ ساری عمر شکوہ و شبہات میں بڑا رہے گا۔ اور جو دینِ خداوندی کو اپنی رائے کے مطابق اپنائے وہ ساری زندگی ماضی رہے گا۔“

۳۔ عیونِ اخبار الرضا حصہ اول صفحہ ۱۹۔ رسول اللہ نے فرمایا۔
”وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے اپنی رائے سے میرے کلام کی تفسیر کی اور جس نے میرے دین میں قیاس کو استعمال کیا اس کا میرے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

۳۔ تجليات حکمت صفحہ ۵۔ امیر الامین نے فرمایا۔

”خدا کی قسم سنت صرف رسول اللہ کی ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ سب بدعت ہے اور دین کو بدعت سے زیادہ کسی اور شے نے منہدم نہیں کیا،“

۴۔ کمال الدین و تمام النعمہ۔ حصہ اول ۳۳۲۔ امام زین العابدین نے فرمایا۔

”اللہ کا دین ناقص عقل، باطل رائے اور فاسد خیالات سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ تسلیم (سر جھکا دینے) سے حاصل ہوتا ہے پس جس نے ہمیں تسلیم کیا اس کیلئے سلامتی ہے۔ جس نے ہماری پیروی کی اُس کے لئے ہدایت ہے اور جس نے قیاس اور رائے سے کام لیا وہ ہلاک ہوا اور جس نے ہمارے قول اور ہمارے فیصلے پر اپنے نفس میں تنگی محسوس کی اس نے سبع مثانی اور قرآن نازل کرنے والی ذات (اللہ تعالیٰ) کا انکار کیا۔

اجتہاد

ہم نے معتبر ترین کتابوں سے یہ ثابت کر دیا کہ نظام اجتہاد کا پورا کار و بار صرف قیاس پر چل رہا ہے کیونکہ دین کے حقیقی ذرائع یعنی قرآن و حدیث کی طرف یہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ قرآن مجید کی صرف ۵۰۰ آیات اور صرف احکام سے متعلق احادیث ان کو پڑھائی جاتی ہیں مگر یہ لوگ ان سے بھی براہ راست فائدہ حاصل نہیں کرتے جب تک کہ ان میں اپنے استنباط، اپنی رائے اور اپنے قیاس کو شامل نہ کر لیں۔ شہید ثانی اپنی کتاب ”معیۃ المرید“ کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں۔

”کتاب عزیز میں ۵۰۰ آیات احکام شریعہ پر مشتمل ہیں۔ لہذا جو استدلال کے ذریعے فقہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ ان آیات کی صحیح معرفت رکھے۔ رہی حدیث تو

ان میں سے ان ہی کی معرفت لازم ہوگی جو احکام شریعہ پر مشتمل ہیں تاکہ ان کے اور قرآن کی آیات کے ذریعے ان احکام کو استنباط کیا جائے۔ اگر ان دونوں کے ذریعے استنباط کرنا ممکن نہ ہو تو دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا جائے گا جن کے ذریعے استنباط ممکن ہوتا ہے جیسے دلیل عقلی وغیرہ۔ البتہ ان قوانین اور معیار کے مطابق جو علم اصول فقه میں مقرر ہیں،“۔

حشم صاحب اتنے بھولے اور ناداندی ہیں کہ اجتہاد کے موضوع پر کتاب لکھنے بیٹھ گئے مگر ان کو اتنا بھی علم نہیں کہ اجتہاد ہوتا کیا ہے۔ ان کی نظر میں حدیثوں کی چھان پھٹک کرنے کا نام اجتہاد ہے۔ حالانکہ انہیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں تھی، اگر وہ اپنے مددوہ مفتی جعفر حسین صاحب سے ہی پوچھ لیتے تو وہی ان کو بتا دیتے کہ اجتہاد کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب مجتہد کو قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے۔ قارئین کی یاد دہانی کیلئے ہم نیجے البلاغم کے خطبے ۱۸ کی اُس توضیح سے اقتباس پیش کرتے ہیں جو مفتی جعفر حسین صاحب نے تحریر فرمائی ہے۔

”فرقہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ نے نہ کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے اور نہ کسی چیز کے حکم کو مجتہد کی رائے کا تابع ٹھہرایا ہے اور نہ آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کے لئے واقع میں متعدد احکامات بنائے ہیں۔ البتہ جب مجتہد کی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو تلاش و تفہص کے بعد جو نظریہ اس کا قرار پاتا ہے، اس پر عمل پیرا ہونا اس کیلئے اور اس کے مقلدین کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے جو حکم واقعی کا بدل ہے اور ایسی صورت میں حکم واقعی چھوٹ

جانے پر وہ معدود قرار پا جاتا ہے چونکہ اس نے اس دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور اس کی تیک پہنچنے میں کوئی کوشش اٹھانبیں رکھی مگر اس پر کیا اختیار کہ دُر شہوار کے بجائے خالی صدف ہی اس کے ہاتھ لگے۔ لیکن وہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اسے موتی سمجھیں اور موتی کے بھاؤ کے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پر کھنے والا اُس کی بھی آدمی قیمت لگادے تاکہ نہ اس کی محنت اکارت جائے اور نہ اس کی بہت ٹوٹنے پائے۔

یہی نظریہ اہلسنت کا بھی ہے۔ چنانچہ محمد تقیٰ امین ”فقہہ اسلامی کا تاریخی پس منظر“ کے صفحہ ۳۸۳ پر لکھتے ہیں۔ ”جب صحابہ کو مختلف مقامات پر تمدنی زندگی کے نئے نئے حالات و مسائل سے سابقہ پڑا اور جو کچھ ان کے ذمہ میں موجود و محفوظ تھا، اس کا دامن ان حالات و مسائل کو سمیئنے کیلئے ایک حد تک ناکافی ثابت ہوا تو انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کرنا شروع کیا اور علّت دریافت کر کے اس کے ذریعے مسائل کا استنباط کر کے ضرورتوں کو پورا فرمایا، اس طرح نظامِ تشریعی کو الٰہی حکمت کے موافق بنایا۔“

اجتہاد کی حقیقت

مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہے کہ وہ اجتہاد جس کا پر چار حشم صاحب نے کیا ہے اللہ و موصویںؐ کی نظر میں مداخلت فی الدین کی حیثیت رکھتا ہے اور اس اعتبار سے قطعاً حرام ہے۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں میں یہ ہر شخص پر فرض عین ہے اور اگر کسی نے اجتہاد نہ کیا تو وہ سمجھ لے کہ اس کے سارے اعمال غارت ہوئے۔ اس بات کی وضاحت کیلئے ہم چند ارشادات موصویںؐ پیش کر رہے ہیں۔

”تجلیات حکمت صفحہ ۵“، امیر المؤمنین نے فرمایا۔

”اَشَدُ النَّاسِ اجْتِهادًا مِنْ تَرْكِ الذَّنْبِ“ - لوگوں میں اجتہاد کے

معاملے میں سب سے زیادہ اجتہاد کرنے والا وہ ہے جو گناہوں کو ترک کر دے۔“

۲- تجلیاتِ حکمت صفحہ ۵۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔

”لَا تَتَرُّكُ الاجْتِهادُ فِي اصْلَاحِ نَفْسِكَ فَإِنَّهُ لَا يُعِينُكَ عَلَيْهَا إِلَّا الْجِدُّ“ - اصلاح نفس میں اجتہاد کو ترک نہ کرو، کیونکہ اس معاملے میں صرف کوشش ہی تمہاری معاون ہو سکتی ہے۔

۳- بخار الانوار ج ۱۱۔ صفحہ ۲۸۱۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

”کیا میں تمھیں وہ بات بتا دوں جس کے بغیر اللہ بزرگ و برتر کسی بندے کا عمل قبول نہ کرے گا؟“۔ راوی نے عرض کیا کہ فرزندِ رسولؐ ارشاد فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”اس امر کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ نیز جو احکام اللہ نے دئے ہیں ان کا اقتدار اور ہماری ولایت و دوستی اور ہمارے ذمہنوں سے براءت و بیزاری رکھنا یعنی مخصوص ائمہؐ کی ولایت اور ان کی امامت کو تسلیم کرنا۔ پھر ورع و تقویٰ اور اجتہاد اور طمانتی قلب اور امامؐ قائم کا انتظار“۔

اب حشمت صاحبؐ کو حضرت صاحبؐ الزمان کے اُس ارشاد کا مطلب سمجھ میں آ جانا چاہیئے جو انہوں نے اپنے جدؐ بزرگوار امام حسینؐ کے بارے میں فرمایا تھا (اور جسے حشمت صاحبؐ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۷ پر مروجہ اجتہاد کی دلیل بنایا تھا) کہ ”فِي الطاعنة مجتہداً“۔ یعنی امام حسینؐ اطاعت خدا میں شدید کوشش کرنے والے تھے۔

ولایتِ فقیہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا کھیل اس لئے کھیلا گیا اور کھیلا جا رہا ہے کہ ملا کا اصل مقصد حکومت پر قبضہ کرنا تھا۔ اس کی تفصیل ہم نے کشف الحقائق کے آخری باب ”انقلاب“ میں بیان کر دی ہے جس کا اعادہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی مزید توضیح بیان کرنا ہے اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔ ہم ابتداء کرتے ہیں چند اقوال مخصوص میں سے تاکہ حکومت ملا کی حقیقت واضح ہو جائے۔

۱۔ تجلیاتِ حکمت۔ صفحہ ۲۱۰۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔

”علماء کی آفت ہے ریاست ہے۔ ہے ریاست اللہ کی محبت سے دور کر دیتی ہے۔“
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نام نہاد علماء جب حکومت کے پیچھے بھاگتے پھریں گے یا حکومت حاصل کر لیں گے تو معصومؐ کی نظر میں یہ ایک بہت بڑی آفت ہو گی۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں نہ خوفِ خدا ہوگا اور نہ محبتِ خدا۔

۲۔ حکمت بوتاب حصہ اول صفحہ ۲۰۹۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔

”حکومتوں کی سربراہی مکرو弗ریب کی انشاء پردازی ہے۔“

۳۔ القطرة من بخار۔ ج ۲۔ صفحہ ۵۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

”وہ لوگ جو گستاخ ہیں اور ائمہ اطہار کی حرمت و عزت کا خیال نہیں رکھتے وہ ختم ہو جائیں گے۔ اور وہ لوگ جو وقتِ موعود (ظہور امامؐ) سے پہلے دنیا برحقیقی اسلامی حکومت کے قیام میں جلدی کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہو جائیں گے۔“

کتنا واضح فرمان ہے جس میں ظہورِ امامؐ سے پہلے اسلام کے نام پر حکومت حاصل کرنے

والوں اور اسلامی حکومت کے قیام کا ڈھنڈو را پیٹنے والوں کا انجم بتابیا گیا ہے۔ حشم صاحب کو چاہیئے کہ ابھی سے دن گئنا شروع کر دیں یا پھر اس جھمیلے سے جان چھڑالیں۔ اسی میں انکی بھلائی ہے ورنہ ہلاک ہونے والوں میں وہ بھی شامل ہوں گے۔

۵۔ تفسیر نور الشقلین ج ۲ صفحہ ۱۰۰۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔

”ہر وہ عمل جو خدا کے منتخب بندوں (یعنی ائمہ طاہرین) کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں نافذ ہو تو بندوں کے ذاتی قائم کردہ حدود، عہود، قوانین، رسوم اور ان کے آئین اور دستور کی کوئی اہمیت نہیں، وہ قابل قبول نہیں ہیں اگرچہ ان پر ایمان کے الفاظ کا اطلاق ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔“

ولایتِ فقیہ کی بنیاد اس نظریے پر رکھی گئی کہ ”حکومت ملّا کا حق ہے“۔ جس نظریے کی بنیاد ہی نافرمانی مقصوم اور غصب حق امام ہو۔ اس پر جو عمارت تغیر کی جائے گی اس کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے اور آج اس کا مشاہدہ ہر شخص کر رہا ہے کہ خلافت رسول سے لیکر اطاعت، امامت اور ولایت امام تک، کوئی حق مقصوم ایسا نہیں جو انہوں نے غصب نہ کر لیا ہو۔ محفوظ شاہ خراسان کراچی میں ایک بورڈ لگایا گیا تھا جس پر لکھا تھا۔ ”خامنہ ای کی ولایت علیٰ کی ولایت ہے اور علیٰ کی ولایت اللہ کی ولایت ہے“۔ اس بورڈ کا عکس آپ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرم سکتے ہیں۔ جبکہ امیر المؤمنین کا فرمان ہے کہ ”حق ولایت و حکومت کی خصوصیتیں اور رسول اللہ کی جائشی اور ولایت، سب کچھ آل محمد سے مخصوص ہے“۔ (تجلیاتِ حکمت صفحہ ۵۸)۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ غاصب حق امام ہیں یا نہیں۔ تفسیر فرات صفحہ ۶۳ پر قرآن کی آیت، خدا اس کو نہیں بخشے گا جو کسی کو اس کا شریک قرار دے۔

Settings\admin\Desktop\Kashaful Hijjab\khaminai
done.JPG not found.

کی تفسیر میں امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ ”جو شخص علیؐ کی ولایت اور اطاعت میں کسی کو شریک کرے گا، اللہ اسے نہیں بخشنے گا“۔ اور حشم صاحب جیسے لوگوں کیلئے امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ ”اس امت میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے حروفِ کتاب کو تو قائم رکھا لیکن اُس کے احکام و حدود کو بدل ڈالا۔ ایسے لوگ ہمیشہ اہل اقتدار اور متکبرین کے ساتھ دکھائی دیں گے اور اگر اہل اقتدار میں تفریق پیدا ہو جائے تو یہ اس کے ساتھ دکھائی دیں گے جس کے ساتھ لوگوں کی اکثریت ہوگی اور یہی ان کا مبلغ علم ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ طمع و لالج میں زندگی بسر کرتے رہتے ہیں اور یہ ایسی زبان کی تربیتی کرتے ہوئے بہت سا باطل بیان کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور ابلیس کی آواز کو ان کی زبانوں سے بخوبی سننا جاسکتا ہے۔“ (تفسیر نور الشقین۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۰۸، ۲۰۷)

شوq اقتدار میں انہوں نے ولایت فقیہ کا نظریہ ایجاد تو کر لیا لیکن اب بہت سے مسائل سامنے آ کھڑے ہوئے۔ پہلا مسئلہ تو یہ کہ خمینی سے پہلے جتنے مجتہدین گزر چکے تھے، اور ظاہر ہے کہ وہ بہت بڑے مجتہد تھے جن میں علامہ حلی جیسے لوگ بھی شامل تھے، ان کے ذہن میں یہ نظریہ کیوں نہ آیا؟۔ اگر ولایت فقیہ دین کا اتنا ہی اہم اور بنیادی مسئلہ تھا تو گزشتہ مجتہدین کا اس سے غافل رہنا اور اس کا ذکر تک نہ کرنا نہ صرف یہ کہ ان کی بہت بڑی کوتاہی ٹھہرے گی بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اسے ایک دینی جرم مانا بڑے گا۔ دوسرے یہ کہ ایک ہی وقت میں بہت سے فقیہ موجود رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ولایت کا تاج کس کے سر پر سجا جائے گا؟۔ تیسرا یہ کہ ولی فقیہ کے اختیارات کون طے کرے گا؟ اور وہ اختیارات کیا ہوں گے؟۔ کیا وہ دین و شریعت میں کوئی

تبدیلی کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب نکلا اور وہ تھا ”جس کی لائٹی اس کی بھینس“۔ یہ واضح رہے کہ اقتدار پر قبضہ جمانے سے پیشتر اس بارے میں کچھ بھی طے نہیں ہوا تھا۔ جب کرسی پر قبضہ پکا ہو گیا تو اب ان چیزوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ پہلے سوال کیلئے یہ طے کیا گیا کہ چونکہ گزشتہ مجہنڈین کے پاس لائٹی نہیں تھی اسلئے بھینس کا خیال بھی انہیں نہیں آیا۔ البتہ ولایت فقیہ کے نظریے کا ان کے داماغوں میں نہ آنا یقیناً ان کی نالائق تھی۔ یا پھر رکاوٹ یہ رہی ہو کہ وہ شیعہ تھے اور مذہب شیعہ میں اس خرافات کی کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے یہ کیا گیا کہ مذہب شیعہ کا انکار کر دیا گیا تاکہ دینی الزام سے بری ہو جائیں۔ چنانچہ خمینی نے برملا کہہ دیا کہ ”ہم چاہتے ہیں کہ ہم پر اسلام کی حکومت ہو اور اسی کے قوانین کے مطابق ہمارے باہمی فیصلے ہوں۔ وہی اسلام جو نبی پر بذریعہ وحی نازل ہوا تھا اور جس میں شیعہ سنی کا کوئی امتیاز نہ تھا“۔ (شیعہ سنی اختلاف ایک بے حقیقت غوغاء صفحہ ۵۲)۔

جہاں تک ولی فقیہ کے اختیارات کی بات ہے تو اس کا بنیادی اصول تو انہیں اہلسنت سے مل گیا۔ پھر اس پر پورا محل انہوں نے خود کھڑا کر لیا۔ ”فقہہ اسلامی کا تاریخی پس منظر“ کے صفحہ ۳۰۰، ۲۹۹ پر محمد تقی امین لکھتے ہیں۔ ”فقہاء نے وقتی حالات و مصالح کی بناء پر قوت نافذہ (حکومت) کے اتنے وسیع اختیارات مانے ہیں کہ وہ بعض جائز معاملات کو بھی وقتی طور پر منوع قرار دے سکتی ہے اور بعض کے نفاذ کو موخر کر سکتی ہے۔“۔ ان لوگوں نے اس سے آگے بڑھ کر جائز تو جائز بلکہ واجبات بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے اور خمینی صاحب نے صاف فرمادیا کہ حکومت شریعت کی پابند نہیں ہے بلکہ شریعت حکومت کی پابند ہے۔

انہوں نے فرمایا۔ ”قائد انقلاب ولی فقیہ جو مملکت کی رہنمائی اور قیادت کرتا ہے، شریعت کا پابند نہیں بلکہ شریعت اس کی پابند ہے۔ نائب امام کی حیثیت سے ولی فقیہ کا ہر سیاسی حکم بھی ارکانِ دین کی طرح بلکہ اس سے بھی فائق تر ہے کیونکہ نائب امام کی حیثیت پیغمبر کے جانشین کی ہے، وہ شریعت کے جس قانون کو مناسب سمجھے منسوخ کر سکتا ہے..... ہماری حکومت نائب پیغمبر ہے۔ اس کو ارکانِ دین مثلاً نماز روزہ اور حج پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ میں کھلم کھلا کہتا ہوں کہ حکومت کسی بھی رکنِ دین کو منسوخ کر سکتی ہے، اگر وہ ایسا کرنا مناسب سمجھے۔ حکمران مناسب سمجھے تو وہ مساجد کو بند یا منہدم بھی کر سکتا ہے۔ حکومت جب سمجھے کہ کتنے ہوئے معاهدے ملک اور اسلام کے خلاف ہیں تو انہیں یک طرفہ طور پر منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ حکومت اپنے شہریوں کو حج کرنے سے بھی روک سکتی ہے جو اہم رکنِ دین ہے۔“ (تفصیلات اور حوالوں کے لئے دیکھیے ہماری کتاب ”کشف الہاد“ صفحہ ۳۸۷ تا ۳۹۰)۔

اب یہ مسئلہ باقی رہ گیا کہ اتنے ڈھیر سارے مجتہدوں میں سے کس کو ولیٰ فقیہ مانا جائے۔ بنیادی بات تو بہر حال لاثی ہی کی تھی لیکن کوئی نہ کوئی اصول تو بنا نا تھا۔ یہ جانے کے لئے ہم کتاب ”ولایتِ فقیہ“ کے صفحہ ۱۸ سے ایک اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

”بہر حال ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فقہی جامع الشرائط کا انتخاب کون کرے گا؟۔ خاص کر فقهاء کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں؟۔ جواب یہ ہے کہ دور غیبت کبریٰ میں یقیناً یہ حق امت مسلمہ کو بحیثیتِ مجموعی حاصل ہے۔ یعنی امت مسلمہ براہ راست یا

بالواسطہ اپنا قائد منتخب کرنے کی مجاز ہے، بلکہ اللہ، اس کے رسول اور اسلام کی طرف سے اس پر مامور بھی ہے۔ چنانچہ ایک فرد کے تعین پر نص خاص موجود نہ ہو اور امام مخصوص کی طرف سے کوئی خاص نمائندہ بھی نامزد نہ ہوا ہو تو خود امت اسلامیہ پر اسلامی قواعد و ضوابط کے تحت یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلامی متون (قرآن و حدیث) میں تعین شدہ شرائط و صفات کے مالک کسی بھی فرد کو اپنے قائد کی حیثیت سے منتخب کرے۔ اسلامی نظام کی نگاہ میں شوریٰ (جس کے بانی خلیفہ ثانی تھے) ایک مضبوط اور ایک ثابت بنیادی عنصر تصور کیا جاتا ہے..... لہذا جہاں کوئی نص موجود نہ ہو اور حاکم اسلامی اور اسلام کی طرف سے امت اسلامیہ بحیثیت مجموعی کسی چیز کی انجام دہی پر مامور ہو تو پھر قانون شوریٰ کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔ لیکن دونوں فریق (یعنی شیعہ اور سنّی) متفق ہیں کہ موجودہ دور میں اسلام اور رسول اسلام کی طرف سے کسی شخص کا تقرر ہوا ہے اور نہ کوئی نامزد ہوا ہے۔ لہذا قانون اسلام کے اجراء اور حکومت اسلامیہ کی تشکیل کی ذمہ داری خود امت اسلامیہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ہر شخص نہ قائد بن سکتا ہے اور نہ قائد بننے کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے بلکہ امت اسلامیہ میں سے کوئی مقام پر فائز ہو جائے تو امت اسلامیہ اس کی پیروی کرے..... لیکن اس صورت میں بھی زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر فقیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود جمہوری طور پر انتخاب کے ذریعے اس منصب پر فائز ہو سکتا ہے..... اس انتخاب سے رائے عامہ ہموار ہو جائے گی اور یہ اسلام دشمن پر پیگنڈہ کا دندان شکن جواب بھی ثابت ہو گا اور عملی طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ اسلامی حکومت میں عوام الناس کا کردار کیا ہوتا ہے۔

مندرجہ بالاعبارت پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ میں السطور پیغام کو سمجھا جاسکے۔
 اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ نے (معاذ اللہ نے) اپنے بعد کسی کو خلافت کیلئے نامزد نہیں
 کیا تھا۔ لہذا مندرجہ بالاعبارت کی رو سے ان کے لئے نہ صرف جائز تھا بلکہ واجب تھا کہ وہ
 باہمی مشورے سے اپنا حکمران منتخب کریں۔ لہذا سیفیہ کا جواز تو ثابت ہو گیا۔ شیعہ حضرات
یہ مانتے ہیں کہ تمام ائمہ پر نص موجود تھی اسلئے جائز حکمران وہی تھے اگرچہ ظاہراً
حکومت کسی اور کے ہاتھ میں تھی۔ اُس زمانے میں کسی ایکشن وغیرہ کی بات کوئی بھی
نہیں کرتا۔ بلکہ یہ مانتے ہیں کہ اُس زمانے میں دو قسم کے حکمران موجود تھے۔ ایک وہ
جو من جانب اللہ حکمران تھے، اور وہی حقیقی حکمران تھے، اور دوسرے وہ جنہیں لوگوں نے
حکمران بنالیا تھا۔ اب ولایت فقیہ کے تمام متولوں سے میرا سوال یہ ہے کہ جب وہ
مانتے ہیں کہ حقیقی حکمران، حکمران ہی رہتا ہے جا ہے ظاہر امور حکومت ان کے ہاتھ
میں نہ ہو اور کسی کو حق نہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی بھی طریقے سے اپنا حکمران خود
 منتخب کر سکے جا ہے حکومت ظالموں اور جا بروں کے ہاتھ میں ہی کیوں نہ رہے۔ اب یا
تو یہ مان لو کہ حضرت صاحب الزمان پر نص موجود نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو پھر حقیقی
حکمران وہی ہیں جا ہے ظاہر حکومت غاصبوں کے ہاتھوں میں ہی کیوں نہ ہو اور اس
بہانے کی بناء پر کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی بھی طریقے سے کسی اور کو حکمران منتخب
کر لے یا خود حکمران بن جائے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ مجتہد صاحب جمہوریت کو ملتِ اسلامیہ کیلئے واجب عینی قرار دے
 رہے ہیں اور دوسری طرف مریض یونان حضرت حشم صاحب جمہوریت کو ایک ناپسندیدہ شے

قرار دے رہے ہیں جیسا کہ صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ ”ارسطو ہی وہ پہلا فلسفی ہے جس نے جمہوریت کی بنیاد رکھی اور آج جمہوریت ہر انسان کے اندر سرایت کرچکی ہے، جس کے فائدے کم اور نقصانات عظیم ہیں“۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی بات مانیں لیکن ہمارا فکری رہ جان مریع یونان کی طرف زیادہ ہے اور ہم ولایتِ فقیہ کو واقعی نقصان عظیم سمجھتے ہیں کیونکہ ہماری نظر میں ہمارے مولا امام جعفر صادقؑ کا یہ فرمان موجود ہے جسمیں آپؑ ریاست (حکومت) سے دور رہنے کی تلقین فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”اسے جس نے بھی طلب کیا وہ ہلاک ہو گیا“۔ پھر ریاست کا مطلب یہ بتایا کہ ”تم بغیر جحت کے کسی شخص کو کھڑا کر دو اور اس کی ہر بات کی تصدیق کرو اور لوگوں کو اس کے قول کی دعوت دو“۔ (معانی الاخبار صفحہ ۲۲۵ حدیث ۱)۔

بات کو مکمل کرتے ہوئے ہم دو احادیث معصومینؐ پیش کر رہے ہیں تاکہ آپؑ جان لیں کہ خوبیت امامؐ میں ہمارا وظیفہ کیا ہونا چاہیئے۔
۱۔ تفسیر نور الثقلین ج ۳ صفحہ ۵۳۔ امیر المؤمنین فرماتے ہیں۔

”علماء حق اور ان کے پیروکار باطل حکومتوں کے دور میں رہ کر خاموشی سے اپنا وقت بسر کرتے ہیں اور حق کی حکومت کے متظر رہتے ہیں“۔
۲۔ القطرة من بخارج ۳ صفحہ ۲۱۔ رسول اللہ نے فرمایا۔

”میرے بعد بہترین لوگ وہ ہیں جو ہماری حکومت و ولایت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں“۔

جعلی مجہتد

اجتہاد کے حقیقی معنی ہم آپ کی خدمت میں عرض کر چکے، وہ معنی جو قرآن و حدیث نے مراد لئے ہیں، اور یہ بھی عرض کر دیا کہ حقیقی مجہتد کون ہوتا ہے۔ آپ یہ بھی جان چکے کہ ہر مومن پر اجتہاد کرنا اور مجہتد بننا واجب یعنی ہے اور اس کے بغیر اللہ کسی کے اعمال قبول نہیں کرتا لیکن دنیا کے ہر علم اور ہر فن کے ساتھ یہ معاملہ ضرور ہوتا ہے کہ جہاں اس کے اصل اور حقیقی علماء موجود ہوتے ہیں وہیں ایک جعلی طبقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جو اس علم و فن میں چور دروازے سے داخل ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اصل علماء کو چیچھے دھکیل کر خود سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا ہے۔ اجتہاد کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے کہ اہل سنت کا ایجاد کردہ اجتہاد، فقہ، اصول فقہ، فتویٰ اور ظلن و قیاس و رائے کچھ لوگوں کو اس قدر بھائی کر ان کو شیعوں پر مسلط ہونے کیلئے اس سے بہتر طریقہ نظر نہ آیا۔ اُس زمانے میں شیعہ قوم ان تمام الفاظ کے ان معانی سے نہ آشنا تھی جو اہلسنت میں رائج ہو چکے تھے۔ اسی لئے اجتہاد کے اوّلین داعی ابن جنید، حسن ابن ابی عقیل، شیخ مفید، شیخ سید مرتضیٰ، علامہ طوی وغیرہ اگرچہ اجتہاد کی ترویج کی کوششوں میں پیش پیش رہے لیکن انہوں نے کبھی بھی مجہتد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، نہ کسی کو اپنی تقلید کی دعوت دی، نہ تقلید کو واجب کہا اور نہ یہ کہا کہ بغیر تقلید کے اعمال قبول نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شیعہ ان باتوں کو کبھی قبول نہیں کریں گے اور پہلے ہی پیچ میں ان کا ”بُوكَاٹا“ ہو جائے گا۔ الہذا وہ بظاہر محمدؐ بنے رہے اور احادیث کو جمع کرنے اور شائع کرنے کا شغل جاری رکھا لیکن آہستہ شیعوں کو یہ کڑوی گولی نگزے کیلئے ہنی طور پر تیار کرتے رہے۔ شہید مرتضیٰ مطہری ہماری بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”میں پورے وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن گمانِ غالب یہ ہے کہ شیعوں میں سب سے پہلے اجتہاد اور مجہد کے الفاظ ان معنوں میں علامہ حلی نے استعمال کئے،“ (سخن ۱۰۰)۔ ملا پرستی شاید عوام کی کمزوری ہوتی ہے کیونکہ جب ہم تاریخِ امم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہرامت اسی عذاب میں مبتلا نظر آتی ہے اور اسی لئے گزشتہ امتیں گمراہ ہوئیں اور تباہی و بربادی سے دوچار ہوئیں اور اسی لئے بار بار ابیناً کو اس دنیا میں بھیجنے کی ضرورت پیدا ہوتی رہی۔ یہی ملا پرستی امتِ محمدؐ کی رگوں میں بھی دوڑ رہی تھی اس لئے ملاوں کو انہیں نامانوس الفاظ سے مانوس کرنے اور تقلید کیلئے ڈھنی طور پر تیار کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا اور وہ یہ کام بڑی تندی سے سما تویں صدی کے اوخر تک کرتے رہے، یہاں تک کہ جب لوہا گرم ہو گیا تو علامہ حلی نے آخری چوت مار کر اجتہاد و تقلید کا نقارہ بجادیا کیونکہ اس وقت تک لوگ ڈھنی طور پر اس اجتماعی خود کشی کیلئے تیار ہو چکے تھے۔ یہ تھا جعلی اجتہاد اور وہ ملا تھے جعلی مجہد جو عام لوگوں اور باطل حکومتوں کے ٹکڑوں پر پلتے تھے اور اندر رہی اندر مذہب کی چڑوں کو کھو کھلا کرتے تھے۔ جب کچھ اور ہمت بڑھی تو تقلید کے واجب ہونے کا اعلان ہوا۔ جب عوام کی طرف سے ثابتِ رِعْدِ عمل ملا تو قبولیتِ اعمال کیلئے بھی تقلید کی شرط رکھ دی گئی۔ یہ سب کچھ ہو گیا تو اب ملا نے اپنی ذات کے بارے میں سوچا کیونکہ دنیا میں پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس سے بھی بُرانشہ منصب کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اب نائب امام ہونے کا دعویٰ کیا گیا جسے حسب توقع تسلیم بھی کر لیا گیا۔ کسی نے پلٹ کریا نہ پوچھا کہ آپ کو نائب امام کس نے بنایا؟۔ اور کیا آپ کے پاس امام کی طرف سے کوئی تقرر نامہ ہے؟۔ اور کیا آپ اپ بطور نائب کے وہ تمام امور سر انجام دینے کے اہل ہیں جو امام دیا کرتے تھے؟۔ اس جعلی نیابت کے سلسلے میں ہماری دو گزارشات ہیں۔ اول تو قولِ معصوم جس سے خود اس لفظِ

نیابت کی نفی ہوتی ہے جیسا کہ عيون اخبار الرضا جلد اول صفحہ ۳۸۵ پر امام رضا فرماتے ہیں۔ ”کسی کی کیا مجال ہے کہ اپنی جانب سے امام کا قائم مقام بن سکے با اُس (امام) سے مستعفی (بے نیاز) کر سکے“۔ اس فرمانِ معصوم سے نسب امام ہونے کا دعویٰ سراسر باطل قرار پاتا ہے۔ اور اس نظریے کا بھی ابطال ہو جاتا ہے کہ دور غیبت میں مجتہد کے ہوتے ہوئے امام کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ کلمہ کفر ہے جو سرِ عام بکا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ اس نے کبھی کسی عورت کو نبی، رسول یا امام نہیں بنایا۔ جب عورت امام نہیں ہو سکتی تو ظاہر ہے کہ نسب امام یعنی مجتہد بھی نہیں ہو سکتی لیکن اس جعلی نظام میں پہلے بھی کئی لوگ قائل تھے اور آج کل بھی قائل ہیں کہ عورت مجتہد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک پرانے مجتہد آقا سید محمد بن آقا سید علی اس بات کے قائل تھے کہ عورت بھی مجتہد ہو سکتی ہے۔ (قصص العلماء صفحہ ۱۳۵)۔ یہ دعویٰ ہی اس نظام کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ حیرت ہے کہ جن لوگوں کا مبلغ علم اُن کی رائے اور ان کا قیاس ہو وہ علماء کہلائیں۔ اور نسب امام بن کراموِ دین کے مالک و مختار بن بیٹھیں حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”اور اس سے بڑھ کر اور زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو خدائی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ اللہ ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا“۔ (سورہ قصص)۔ اس کی تفسیر میں امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں۔ ”اس سے وہ شخص مراد ہے جو خدا کے مقرر کردہ امام حق کے بجائے اپنی رائے کو دین کا درجہ دے“۔ (تفسیر نور الشفیعین ج ۶ صفحہ ۲۳۰)۔

جعلی مجتہد کہتا ہے کہ اگر تم میرے فتوؤں پر عمل کرو گے تو روزِ قیامت تم سے کوئی باز پر نہیں

ہوگی اور تمہارے تمام اعمال کا میں ذمہ دار ہوں۔ ہم نے کشف الحقائق میں قرآن مجید کی چھ آیات نقل کی ہیں جن سے جعلی مجتہد کا یہ دعویٰ باطل ثابت ہوتا ہے۔ یہاں ہم صرف ایک آیت پر اکتفاء کرتے ہیں اور وہ ہے سورہ عنکبوت کی آیت ۱۲ جس میں ارشاد ہوتا ہے۔ ”کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے کی پیروی کرو اور ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ حالانکہ وہ ان کی خطاؤں کا بوجھ اٹھانے والے نہیں ہیں، وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔“

جعلی مجتہد اپنی تقلید کروانے کیلئے قرآن کی اس آیت کو دلیل بناتا ہے۔ ”فاسئلوا اهل الذکر ان گنتم لاتعلمون“۔ یعنی اگر تمھیں کسی چیز کا علم نہیں تو اس کے بارے میں اہل ذکر سے پوچھو۔ (اور بزمِ خود اہل ذکر سے مراد جعلی مجتہد ہے)۔ چنانچہ آج بھی آپ کسی بھی مجتہد کی ویب سائٹ پر چلے جائیے اور کوئی بھی سوال کیجئے، اس کا جواب ضرور آئے گا، کسی بھی مسئلے میں وہ یہ نہیں کہے گا کہ ”میں نہیں جانتا“۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ جواب دینے کیلئے اس کو علم کی ضرورت نہیں ہوتی)۔ اسے تو صرف اپنی رائے دینی ہوتی ہے)۔ گویا دنیا کا کوئی سوال ایسا نہیں جس کا جواب جعلی مجتہد کے پاس نہ ہو۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ معصومینؐ ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

معانی الاخبار۔ صفحہ ۲۸۶۔ حدیث ۲۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

”جو شخص اس سے پوچھے جانے والے ہر سوال کے بارے میں جواب دے تو یقیناً وہ مجنون اور پاگل ہے۔“

یہ صرف اللہ کی حجتوں کی شان ہے کہ صرف وہی ”سلوٹی“ کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ تفسیر نور الشقین جلد دوم صفحہ ۵۸ پر امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”اللہ کا اصول ہے کہ وہ کسی ایسے فرد

کو زمین پر اپنی جھت نہیں بناتا جو کسی سوال کے جواب میں اپنی علمی کاظہار کرے اور کہے کہ ”میں نہیں جانتا“۔ یہ خصوصیت صرف ائمہ طاہرین کی ہے۔ جو بھی ان کی نقل کرے گا اور ان کے برابر آنے کی کوشش کرے گا وہ یقیناً ذلیل و رسوا ہو گا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا تھا۔ ”مجھے قرآن حکیم میں کچھ ناموں سے مخصوص کیا گیا ہے۔ خبرداران ناموں پر قبضہ مت کرنا ورنہ اپنے دین میں گمراہ ہو جاؤ گے“۔ (تفسیر نور الشفیعین ج ۲ صفحہ ۲۵۰)۔ لیکن ان جعلی مجتہدوں نے امیر المؤمنین کا کوئی ایسا القب نہ چھوڑا جس پر انہوں نے قبضہ نہ کر لیا ہو۔ آیت اللہ، خلیفۃ اللہ، جلت اللہ، امام، اولی الامر، خلیفۃ رسول، وصی رسول، ولی اللہ، عَلَمُ الْمَحْدُودِ، اہل ذکر وغیرہ۔ خدا کے بندو! کوئی ایک لقب تو چھوڑ دیا ہوتا!!

مجتہد خود بھی جانتا ہے کہ اُس نے دین کا کیا حشر کر دیا ہے اور پونکہ یہ عوام کو پاگل سمجھتے ہیں اس لئے اس بات کے اظہار میں کوئی باک بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ شہید مرتضی مطہری اپنی کتاب ”سخن کے صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳“ پر لکھتے ہیں۔ ”مذہب زندگی ہے، حرکت ہے، بیداری ہے، مگر کون سا مذہب؟۔ وہ مذہب جو پیغمبر لائے ہیں۔ ساتھ ہی معاشرے کیلئے افیون بھی ہے۔ مگر کون سا مذہب؟۔ وہ مجموع مرکب جو ہم نے خود تیار کی ہے۔“

جعلی اجتہاد کی اصل بنیاد

ہم کافی عرصے سے اس تلاش میں تھے کہ اس ظاہر مذہبی اور باطن معاشی جوڑ توڑ، جس کا نام ان لوگوں نے اجتہادر کھچھوڑا ہے، کا اصل مأخذ کیا ہے؟ اور یہ آئندیا انہوں نے لیا کہاں سے ہے؟۔ اللہ کا شکر ہے کہ بالآخر ہم پر یہ راز کھل ہی گیا۔ آپ بھی جان اور سمجھ لیجئے تاکہ معاملے کی تھک پہنچ سکیں۔

فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹۔

”یہودی مذہب کے احکام سے فقهاء کی مماثلت ضرور بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً تالمود (یہودی فقہ) میں عیسائی مذہب کی طرح عبادات اور قانون میں تفریق نہیں بلکہ مذہبی قوانین دونوں کو شامل ہیں۔ اسلامی فقہ کی طرح موئیشگانی کا رجحان بھی اس میں پایا جاتا ہے اور مسائل کے استنباط میں اجتہاد کو دخل مانا جاتا ہے۔“

”مرگ بر اسرائیل“ کا نعرہ لگانے والے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور لوگوں کو بر ملا بتائیں کہ جس اجتہاد کو انہوں نے مقدس گائے بنارکھا ہے اُس کا اصل مأخذ ”تالمود“ ہے۔ اور وہ لوگوں کو یہ بھی بتائیں کہ ایران عراق جنگ کے دوران انہوں نے اسلحہ کوں سے ملک سے خریدا تھا؟۔ اگر وہ نہ بتائیں تو ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اُس جنگ کے دوران ایران نے اسلحہ اسرائیل سے خریدا تھا۔ اگر آپ کو اس بات کا یقین نہ آیا ہو تو ہم دستاویزی شواہد پیش کئے دیتے ہیں۔ یہ اقتباسات ہم کتاب ”آتش کدہ ایران“، مصنفہ جناب اختر کاشمی صفحہ ۹۹ تا ۹۲ سے اخذ کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ کتاب فروری ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی اور پورے پاکستان میں عام ہو گئی تھی لیکن آج تک حکومت ایران، پاکستان میں سفارتخانہ ایران یا کسی اور طرف سے اس کی تردید نہیں کی گئی۔

”۲۰ اگست ۱۹۸۱ء کو امریکی ٹیلویژن سے سابق صدر ایران جناب بنی صدر کا ایک انٹرویو ٹیلی کاست کیا گیا جسمیں انہوں نے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ ایران اور اسرائیل کے درمیان تجارتی معاهده امام خمینی کے حکم پر میری نگرانی میں ہوا تھا اور اس معاهدے کے تحت کافی عرصے سے ایران کی مسلح افواج کیلئے اسرائیل اسلحہ اور گولہ بارود سپلائی کر رہا ہے۔“ ممینہ معاهدے کا انکشاف سب سے پہلے اُس وقت ہوا جب ۱۸ جولائی ۱۹۸۱ء کو سوویت

یونین کی حدود میں ”یارفین“ نامی مقام پر ارجنٹائن کمپنی کا طیارہ سی ایل ۲۲۳ گرایا گیا۔ یہ طیارہ تل ابیب (اسرائیل) سے گولہ بارود اور امریکی ساخت کے فاضل پُر زے لیکر تہران کیلئے بارہ میں سے تیسرا پرواز پڑھا۔ ۲۸ اگست ۱۹۴۸ء کو نویسا میں حکومت قبرص کے ایک ترجمان نے بتایا کہ ارجنٹائن کا طیارہ سی ایل ۲۲۳ تیل لینے کیلئے ۷۰ جولاں کو لارنیکا کے ہواں اڈے پر اترا تھا۔ یہ طیارہ معمول کی پرواز والی آر، ۲۲۳ پر تھا۔ قبرص کے سرکاری ترجمان کے مطابق اس طیارے میں پچاس صندوق تھے جن کا وزن ۷۵۰ کلوگرام تھا اور اس پرواز کے کیپٹن کا نام سیکر میفرٹی تھا۔ قبرصی حکومت کے ترجمان نے مزید بتایا کہ ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء کو تل ابیب سے تہران اور ۱۳ اگست کو طلوع آفتاب سے قبل تہران سے تل ابیب جاتے ہوئے بھی ایک طیارہ لارنیکا میں اترا تھا۔ اس طیارے کے کیپٹن کا نام سیکر کارڈیو تھا..... ہاشمی رفیعی نے اس کی توجیہ میں کہا کہ ”اگر ایران نے اسرائیل سے اسلحہ خریدا ہی ہے تو اس کے ذمہ دار سابق صدر مسٹر بنی صدر ہیں کیونکہ جس وقت اسرائیل سے سودا طے پایا اس وقت مسلح افواج کے سپریم کمانڈروہی تھے..... سنڈے ٹائمز نے ۲۶ جولاں ۱۹۴۸ء کو روس کے علاقے میں گرنے والے اسلحہ بردار طیارے کے بارے میں جو تفصیلات شائع کیں ان کے مطابق جس شخص کو اسرائیلی اسلحہ ایران کے سپرد کرنا تھا وہ برطانیہ کا رہنے والا ہے اور اس کا نام اسٹیورٹ میکرفٹی ہے۔ اس کو سوٹر لینڈ کے ایک ایجنت اینڈ ریز جینے نے اس معاملے میں شریک کیا تھا۔ ان دونوں نے ۱۲ اور ۷۰ جولاں کی اسرائیلی اسلحہ کی تین کھپیں کامیابی کے ساتھ ایران پہنچادی تھیں اور چوتھی کھپ لیکر جار ہے تھے کہ روی علاقے میں طیارہ مار گرایا گیا..... فرانس کے اخبار ”لی فیگارو“ اپنی ۷۰ جولاں کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ خمینی نے لندن کی اس کمپنی سے خفیہ طور پر رابطہ قائم کیا

تھا جو اسرائیل کے مفاد کیلئے بھی کام کرتی ہے۔ یہ کام اسی کمپنی کے ذریعے انجام پایا۔ ایران کے سابق صدر نے کہا کہ انہوں نے حکومتِ ایران کو اُس معاهدے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ ایران کو اسرائیل سے اس قسم کا معاهدہ کرنے کے بجائے عربوں سے تعلقات استوار کرنے کی ضرورت ہے لیکن امام خمینی نے ان کی بات نہ مانی اور ان کے حکم پر حکومتِ ایران نے اسرائیل سے معاهدہ کر لیا۔ مکتب نگار نے لکھا ہے کہ عراق سے جنگ کیلئے اسرائیل نے ایران کو بندرعباس، چاہ بہار اور بوشهر کی بندرگاہوں کے ذریعے بھاری مقدار میں اسلحہ فراہم کیا ہے۔“

تقلید

یہ وہ موضوعات ہیں جن پر ہم اپنی کتابوں ”کشف الحقائق“، ”کشف المسائل اور کشف التضاد“ میں تفصیل سے لکھے چکے ہیں۔ قارئین اگر اس سلسلے میں مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ اس مقام پر ہم بہت مختصر مگر ضروری گفتگو کریں گے جسمیں کچھ مجتہدین کے اعتراضات اور چند ارشادات مخصوصیں پیش کریں گے۔ تقلید کی اصلاحی تعریف ہم نے گزشتہ کتابوں میں لکھدی ہے۔ یہاں ہم اس کے وہ لغوی معنی لکھتے ہیں جو شہید ثانی نے اپنی کتاب ”منیۃ المرید“ کے صفحہ ۱۳ پر لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ”تقلید سے مراد کسی جائز الخطا شخص کے قول کو قبول کرنا ہے، بغیر اس کے کہ اس قبول کئے جانے والے مسئلے پر دلیل طلب کرے۔ یہ لفظ ”فلاude“ (پٹھ) سے بنा ہے۔“ اس سلسلے میں پہلی بات تو پڑی ہے جو جانوروں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کوئی صاحب عقل انسان کبھی بھی جانور بننے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جانور کے

گلے میں پٹھاں لئے ڈالا جاتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر ہی پہچان لیں کہ یہ جانور لاوارث نہیں ہے بلکہ اس کا کوئی وارث موجود ہے۔ کتنا مارمہم کے دوران اُس کتے کو ہرگز نہیں مارا جاسکتا جس کی گردن میں پٹہ پڑا ہوا ہو۔ ہم بھی الحمد للہ اپنے مالکوں کے درکا کتا ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ ہمارے گلے میں تو پہلے ہی ہمارے زمانے کے امام کا پٹہ پڑا ہوا ہے کیونکہ ہم اسی کی ملکیت ہیں۔ ہم کسی اور کا پٹہ کیونکر اپنے گلے میں ڈال سکتے ہیں کیونکہ انسان ایک وقت میں کسی ایک مالک کی ہی ملکیت ہو سکتا ہے۔ کسی کے بھی دودو مالک نہیں ہو سکتے۔ البتہ جن لوگوں کے گلے میں اپنے امام کا پٹہ نہیں ہے وہ شوق سے کسی بھی جائز الخطاء کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال سکتے ہیں لیکن ہم اپنے مالک سے غذہ اری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حضراتِ مجتہدین جس حدیث کو تقلید کی دلیل بناتے ہیں وہ احتجاج طبری کی ایک حدیث ہے جس کا راوی عمر بن حنظله ہے۔ ہم تو چونکہ متنِ حدیث پر نظر رکھتے ہیں اور راویوں کے چکر میں پڑتے ہی نہیں اسلئے ہمارے لئے تو اس حدیث سے اخذ کردہ مفہوم سرے سے قابلِ قبول ہے، ہی نہیں کیونکہ اس میں ایک جائز الخطاء غیر معصوم شخص کی بات بغیر دلیل طلب کئے آنکھ بند کر کے مان لینے کی بات کی گئی ہے اور اللہ کے نزدیک آنکھ بند کر کے صرف اسی کی بات مانی جاسکتی ہے جس سے امکان خطاء و سہوں سیان و عصیان نہ ہو۔ صرف اسی صورت میں انسان اس کے حکم پر یقین کے ساتھ عمل کر سکتا ہے جبکہ مجتہد کا یہ حال ہے کہ اسے تو خود بھی یقین نہیں ہوتا کہ اس نے جو فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ لیکن جو لوگ علم رجال کا کانٹا نگلے ہوئے ہیں اور ہر حدیث کو اس کے متن سے نہیں بلکہ اس کے راوی کے

ذریعے صحیح یا غلط مانتے ہیں، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اس حدیث پر عمل کرنے سے پہلے کم از کم اس کے راوی پر تو ایک نظر ڈال لیتے۔ اس کا راوی عمر بن حنظله ہے جو ماہرین رجال کے نزدیک ایک بدنام آدمی ہے اور اسے کذب مانا جاتا ہے۔ اسی لئے تمام علماء نے اس حدیث کو ضعیف مانا ہے اور کسی بھی اصول کے تحت کسی ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن چونکہ انہیں اپنے مطلب کی یہ واحد حدیث مل تھی اس لئے اسے ماننا ان کے لئے ضروری تھا۔ لیکن مانتے کیسے جبکہ یہ حدیث ضعیف تھی؟۔ تو اس مشکل کو حل کرنے کیلئے انہوں نے حدیث کی ایک الیٰ قسم ایجاد کی جو کسی نے نہ کبھی سن تھی نہ پڑھی اور وہ تھی ”حدیث مقبول“، یعنی حدیث جیسی بھی ہے اسے قبول کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ حشم صاحب اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس حدیث کا نام ہی ”حدیث مقبولہ عمر ابن حنظله“ ہے۔ شہید مرتضی مطہری نے بھی اپنی کتاب ”بخن“ کے صفحہ ۱۰ پر محضر اس لئے اس حدیث کو سند بنایا ہے کیونکہ بقول ان کے ”آثارِ صدق اس سے نمایاں ہیں“۔ حریرت ہے کہ یا تو عالم رجال کی حمایت میں حشم صاحب حال سے بے حال ہوئے جارہے تھے اور ہمیں ملک بدر کرنے کی تجویز پیش کر رہے تھے یا پھر اپنے مکتب فکر کا پورا ڈھانچہ ایک ضعیف حدیث پر کھڑا کر لیا۔ حشم صاحب کو چاہیئے کہ توبہ کریں اور اپنے حقیقی مالکوں کے قدموں پر اپنا سر کھدوں۔ رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہوا ہے، اگر کہیں سے وظیفہ بند بھی ہو گیا تو اللہ انہیں بھوکا نہیں رکھے گا، البتہ یونان کی مرجعیت ضرور ہاتھ سے جائے گی۔ اس وقت تو وہ قوم موسیٰ کی سیرت پر عمل کر رہے ہیں جنہوں نے کہا تھا۔ ”ہم پھرے کی عبادت پر قائم رہیں گے جب تک موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آ جائیں“، (طہ ۹۱)۔

شہید مرتضی مطہری نے ”سخن“ کے صفحہ ۱۰۶ پر سید نعمت اللہ جازئی کا ایک قول نقل کیا ہے جو ہمیں بہت پسند آیا اسی لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی وہ قول سن لیں لیکن یہ جان لیں کہ سید نعمت اللہ جازئی ایک جلیل القدر عالم تھے اور شیعہ علماء میں ان کا درجہ بہت بلند سمجھا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ”کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ قیامت کے دن کسی بندہ خدا کو لا میں اور اس سے پوچھیں کہ تمہارے عمل کا کیا طریقہ تھا؟۔ وہ کہے کہ میں معصومینؐ کی بدایت پر عمل کرتا تھا اور جہاں مجھے ایسی کوئی بدایت نہیں ملتی تھی وہاں احتیاط سے کام لیتا تھا۔ اس پر اسے تو جھونک دیں جہنم میں اور ایک شخص کو جو معصومؐ کی بات کی نہ کوئی پروا کرتا تھا اور نہ اس پر دھیان دیتا تھا (یعنی پیروی مسلک اجتہاد) اسے لے جائیں بہشت میں؟۔ حاشا و حلا یہ ممکن ہی نہیں“۔

اب ہم تقليد کے بارے میں پہلے تو شہید مرتضی مطہری کے دو اقوال آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ چور کی داڑھی میں تکا کامفہوم سمجھ میں آئے اور پھر اس بارے میں چند ارشادات معصومینؐ بیان کریں گے تاکہ آپ کے دل کو اطمینان مل سکے۔
۱۔ سخن۔ صفحہ ۱۰۹۔

”رہی تقليد، تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک ممنوع اور دوسرا مشروع۔ وہ تقليد جس کا مطلب ماحول یا عادت کی بنابر اندھی پیروی ہو تو وہ یقیناً ممنوع ہے“۔
۲۔ سخن۔ صفحہ ۱۰۹۔

”حال ہی میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو مریح تقليد کی تلاش میں تھے۔ وہ بعض دفعہ کہتے تھے کہ ہم کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جس کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دیں۔

اسلام میں کسی کے ہاتھ میں باغ ڈور دینے کا حکم نہیں ہے۔ اسلام تو آنکھیں کھولنے اور کھلی رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ تقلید اگر کسی دوسرے کے ہاتھ میں باغ ڈور دینے کی شکل اختیار کرے تو اس سے ہزار باخرا بیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ خود مجتہد کے دل میں بھی نظر یہ تقلید کا کامبری طرح کھلتتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ نظریہ باطل ہے لیکن وہ اپنے پیٹ سے مجبور ہے۔

تقلید کے بارے میں چند ارشادات معموص میں

۱۔ میزان الحکمت جلد ۸ صفحہ ۲۳۳۔ موصوم فرماتے ہیں۔

”علم بنو یا طالب علم اور لوگوں کے پیچھے چلنے والے نہ بنو۔ لوگوں کے پیچھے چلنے والوں سے مراد یہ ہے کہ جس کی اپنی کوئی رائے نہ ہو اور وہ ہر ایک کے پیچھے چلتا پھرے،

۲۔ میزان الحکمت جلد ۸۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

”تم اس بات سے اجتناب کرو کہ کسی دلیل کے بغیر کسی شخص کو کسی منصب پر فائز کر کے بلا چوں وچرا اس کی ہربات کی تصدیق کرتے جاؤ اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی بات ماننے کی دعوت دو،

۳۔ عیون الخبر الرضا۔ حصہ دوم صفحہ ۱۳۶۔ حدیث ۲۷۰۔

مولانا میر المؤمنین نے فرمایا۔ ”جو اپنے آقاوں کے علاوہ اوروں سے تعلق قائم کرے تو اس پر اللہ اور اس کے ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی،

۴۔ معانی الاخبار۔ صفحہ ۱۵۷۔ حدیث ۱۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ”طوبی ہے ان کیلئے جو ہمارے قائم کی غیبت میں ہمارے

امر سے متمسک رہیں کہ ان کا دل ہدایت پا جانے کے بعد مخرف نہ ہو جائے۔

۵۔ تفسیر نور الثقلین ج ۲ صفحہ ۱۵۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

”خدا کی قسم جس نے ہمارے اتباع کو ترک کیا تو اس نے ہم سے بغض رکھا۔ اور جس نے ہم سے بغض رکھا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جو خدا کا نافرمان بن کر مراد تو خدا اسے ذلیل کرے گا اور اسے منھ کے بل دوزخ میں ڈال دے گا۔“

مسیرتِ المُجتہدین

مجتہدین چونکہ حشم صاحب کے محبوب ہیں اسلئے حشم صاحب کی دلجوئی کی خاطر ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کے پیاروں کی کچھ یادیں کچھ باتیں یہاں پیش کر دیں تاکہ ان کے دل میں ہماری طرف سے جو کدوڑت ہے اسے میں کچھ کی آسکے۔ یہ باتیں ہم نے ایک انتہائی اہم اور بھاری بھر کم کتاب سے اخذ کی ہیں جس کا نام ”فضص العلماء“ ہے اور اس کے مؤلف میرزا محمد تنکابنی ہیں جو خود بھی صاحب اجازہ ہیں۔ اس میں انہوں نے حضرت محمد بن یعقوب کلینیؒ سے لیکر اپنے زمانے تک تمام مشاہیر علماء و مجتہدین کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں۔ آپ یہ کتاب خرید کر گھر میں رکھیں اور جب کبھی طبیعت بوجمل یا اداس ہوا کرے تو اس کتاب کا مطالعہ کر لیا کریں۔

بیت الخلاء میں مطالعہ

ملا محمد مہدی نراقی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”ابتدائی تعلیم کے وقت مالی لحاظ سے بالکل فقیر تھے، یہاں تک کہ اپنے لئے ایک چراغ بھی نہیں جلا سکتے تھے اور بیت الخلاء میں جو دیا جلتا تھا اس سے فائدہ اٹھاتے اور اس کی روشنی میں مطالعہ کرتے اور اگر کوئی بیت الخلاء جانا چاہتا تو وہ اس طرح کھکارتے کہ گویا ابھی بیت الخلاء میرے استعمال میں ہے تاکہ کوئی بے خبری میں آنے جائے کہ انہیں شرمساری کا سامنا نہ ہو،“ (فضص العلماء صفحہ ۱۳۹)

یہ واقعہ تنکابنی صاحب نے غالباً اس لئے لکھا ہو گا کہ لوگ ترس کھائیں کہ بے چارہ ملا کس

قدِر مغلسی میں زندگی گزارتا ہے، لیکن انہوں نے بنائی تھی کھیر اور بن گیا دلیا۔ اول تو یہ بات ہی بے بنیاد ہے کہ کسی کے پاس چراغ تک نہ ہو جبکہ دوسری ضروریات زندگی پوری ہو رہی ہوں۔ جب وہ کھانا کھاتا ہو، کپڑے پہنتا ہو، کتابیں خریدتا ہو تو بھلا ایک مٹی کے دیے کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ اس واقعے نے وہ اثر تو نہ کیا جوتا کیا بنی صاحب چاہتے تھے لیکن نراثی کی حماقت ضرور ظاہر ہو گئی۔ اگر ان کے پاس کوئی اور چراغ نہ تھا تو بیت الخلاء کا چراغ کمرے میں لے آتے اور جب کسی کو بیت الخلاء جانا ہوتا وہ وہ چراغ تھوڑی دیر کیلئے لے جایا کرتا۔ دوسرے یہ کہ وہ کتابیں جن میں قرآنی آیات، آحادیث معصومین اور اسماء مبارک معصومین موجود ہوں، انہیں بیت الخلاء میں لے جانا اور وہاں پیڑھ کر ان کا مطالعہ کرنا مجتهد کی ذہنی ساخت کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ جس درخت کی نشوونما بیت الخلاء میں ہوئی ہواں کا پھل کیا ہو گا!

عجب و غریب روزہ

صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں۔ ”میرزا محمد تقی نوری ماہ رمضان میں منبر بر بیٹھ کر حجۃ پی لیتے تھے اور اس کے دھویں کو روزہ باطل کرنے کا سبب نہ مانتے تھے۔ جب ایک اور مجتهد کے سامنے اس بات کی گواہی دی گئی تو اُس نے اُن کو فاسق قرار دے دیا“۔

سگریٹ اور حقہ پینے والوں کو مبارک ہو کہ ان کی ایک بڑی مشکل حل ہو گئی۔ شاید اسی لئے حشم جیسے لوگ تقلید کے اتنے شوقین ہیں کیونکہ اس سے انسان کو بہت سی آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ صرف خمس دینا شرط ہے۔ اب اس بارے میں ہمیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں رہی کیونکہ دوسرے مجتهد نے خود ہی ان کی حقیقت کھول دی۔ لیکن اس سلسلے میں

ایک شرعی مسئلہ ضرور جان لیں اور وہ یہ کہ اگر کوئی کسی کو کافر، منافق، فاسق وغیرہ کہے تو اگر وہ سچا ہے تو دوسرا شخص یقیناً فاسق ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو یقیناً وہ خود فاسق ہے۔ اسی اصول پر اس واقعے کا بھی جائزہ لیں۔

ملا بنام ملا

قصص العلماء صفحہ ۸۲۔

”نماز صبح کے بعد ملا محمد کاظم نے حکماء صوفیہ کے نام لینے شروع کئے اور ہر ایک پر ایک تسبیح یعنی ۱۰۰ ادفعہ عن پڑھتے تھے۔ ایک لعنت کی تسبیح ملا صدری کیلئے، ایک ملا فیض کیلئے اور ایک تسبیح لعنت کی ملا محراب کے لئے پڑھی۔ اور مشہور تھا کہ ملا محراب غیب کی باتیں جانتے تھے۔“

ملا صدر الدین شیرازی المعروف بہ ملا صدری خود مجتہدین کے نزدیک ایک بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملا فیض کاشانی کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ ایک صحیح العقیدہ عالم تھے اور مقصروں کی رد میں انہوں سے بہت سمجھ لکھا ہے۔ ملا محراب کی حیثیت بھی حلقوں اجتہاد میں جانی مانی ہے۔ اب ملا محمد کاظم کے بارے میں آپ خود فیصلہ فرمالیں۔

عقیدے کا فساد

(الف) ہر شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ہر مرنے والے کے سرہانے مولا امیر المؤمنین خود تشریف لاتے ہیں خواہ وہ مومن ہو یا منافق اور بہت سی مستحکم احادیث اس پر دلیل ہیں۔ زمانہ رسولؐ سے آج تک یہ شیعوں کا متفقہ عقیدہ رہا ہے اور اس پر آج تک کوئی اختلاف نہیں رہا۔ لیکن حیرت ہے کہ سید مرتضی جیسا شخص جس کی تقییدی حلقوں میں عملًا پوجا کی جاتی ہے، اس

عقیدے کا قائل نہ تھا۔

قصص العلماء صفحہ ۵۔

”امیر المؤمنین وقت احتضار ہر مختصر کے سر ہانے پہنچتے ہیں جا ہے وہ مومن ہو جا ہے
منافق۔ لیکن علم الہدی سید مرتضی نے اس قاعدے کی بنابر کہ ایک جسم ایک وقت میں
مختلف مقامات پر موجود نہیں ہو سکتا، فرمایا کہ مختصر کا وقت احتضار علی گود کیھنے سے مقصود
یہ ہے کہ وہ آنجناب کی ولایت و محبت کا ثمر اس وقت دیکھے گا، نہ کہ بنفس نفس آنجناب
کو۔

یہی وہ بنیادی رویہ تھا جو بڑھتے بڑھتے آج اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ امیر المؤمنین کی ہر فضیلت کا انکار کیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ اس زمانے میں ”علیٰ ولی اللہ“ کہنا بھی ایک جرم بن چکا ہے۔ ہم اس معاملے میں احتجاج کے سوا کچھ نہیں کر سکتے لیکن اس قضیئے کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں کہ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

(ب) مسئلہ بداع شیعوں کا ایک بنیادی اور امتیازی عقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ کوئی حکم دیتا ہے لیکن اپنے علم اور حکمت کی بنابر بعد میں اسے منسوخ کر دیتا ہے اور دوسری حکم جاری فرماتا ہے۔ مثلاً اللہ نے حضرت موسیٰ کو میں راتوں کیلئے بلا یا تھا اور وہ اپنی قوم کو یہی بتا کر گئے تھے۔ لیکن جب وہ طور پر پہنچ تو اللہ نے یہ وقفہ تیس راتوں کے بجائے چالیس راتیں کر دیا جس کی وجہ سے قوم موسیٰ کی آزمائش ہو گئی کہ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ لیکن مجتہدین میں ایک قد آور شخصیت ایسی بھی ہے جو عقیدہ بداع کا انکار کرتی ہے اور اس کے باوجود مختارم ہے۔

خواجہ نصیر الدین محقق طوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”یہ بھی واضح رہے کہ خواجہ مسئلہ بداء کے منکر ہیں اور یہ بڑی تحریت انگیز بات ہے“۔

خوش فہمی

قصص العلماء کے صفحہ ۸۶ پر مؤلف کتاب جناب میرزا محمد تنکابنی خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ ”بچپنے میں (خواب میں) دیکھا کہ حضرت صاحب الامر ایک مدرسے کے پہلو میں جس کی میں نے بنیاد ڈالی ہے، کھڑے ہیں اور آپ نے تلوار سے وار کر کے میرا سترن سے جدا کر دیا۔ میں جب علمی مراتب پر فائز ہوا تو یہ تعبیر نکالی کہ قتل کرنا طویل عمر یا امام عصر سے فیض یا ب ہونے کے معنی میں ہے“۔

خواب تو بالکل واضح تھا لیکن اپنے دل کو تسلی دینے کیلئے تنکابنی صاحب نے ایک نرالی تعبیر خود ہی نکال لی حالانکہ انہیں معاملے کو سمجھ جانا چاہیئے تھا۔ بہر حال تنکابنی صاحب اس بات کا یقین رکھیں کہ یہ تھا انہی کی بات نہیں ہے بلکہ ان کی ساری برادری کا یہی انجام ہونا ہے، تعبیر چاہے کوئی بھی نکال لیں۔

جعل سازی

اس واقعہ کو ذرا غور سے پڑھئے گا کیونکہ اس میں ایک ایسے صاحب کا ذکر ہے جن کا نام سن کر لوگ احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی کتاب ”مفائق الجنان“ ہر گھر میں رکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اُس عظیم الشان شخصیت کا نام ہے۔ ”عباسِ قمی“۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ ان کے کیسے پاکیزہ مشاغل تھے۔

”شیخ احمد حسن بخاری کی ایک لائبریری تھی جس کو انہوں نے گھریوں، نقیس کپڑوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے سجاایا ہوا تھا۔ اور ان کی مزے دار باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ ایک دن اپنی مجلسِ درس میں شیخ نے کسی قول کی نسبت صاحبِ حدائق سے دی۔ اس مجلس میں حاجی ملا محمد جعفر استر آبادی کا داماد عباس قمی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ حدائق میں تو اس کے برخلاف لکھا ہے۔ شیخ نے کہا کہ کل کتاب حدائق لے آنا اور اس سلسلے میں وعدہ ہو گیا۔ ملا عباس گھر گیا اور اپنی کتاب کو وہاں سے خراب کر دیا اور حاشیہ میں عبارت لکھدی اور دوسرے طالب علموں سے حدائق لے کر اس عبارت کو حاشیہ میں لکھدیا اور صبح اپنی کتاب لے کر آگیا۔ شیخ نے دیکھا تو دوسری کتاب منگوائی تو وہی چیز تھی۔ اور منگوائی تو بھی وہی تھی۔ پھر شیخ متوجہ ہوئے کہ یہ بات ساری کتابوں میں حاشیہ میں کیوں لکھی گئی ہے؟ تو انہوں نے اس کتاب کے پرانے نئے منگوائے تو پتہ چلا کہ ملا عباس نے جعل سازی کی ہے۔“

اس واقعے سے آپ کو ملا کا مزاج جان لینا چاہیئے۔ آج بھی وہ یہی کام کر رہا ہے اور کتابوں میں تحریف کرنے میں مشغول ہے تاکہ وہ تمام مواد نکال باہر کرے جس سے اس کی اپنی حقیقت کھلتی ہو اور وہ تمام احادیث غائب کر دے جس میں ائمہ طاہرین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ شاہ عبدالعزیم کی لائبریری میں مفاتیح الجنان کے جتنے نئے موجود تھے ان سب میں سے حدیثِ کساء اور دعاء صحنی قریش کے اوراق پھاڑ پھاڑ کر نکال دیئے گئے جس پر دنباہر میں شوراٹھ کھڑا ہوا۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے پاس موجود

ہیں لیکن یہ ان سب کو نقل کرنے کا محل نہیں ہے۔

مغلوب الشہوت

قصص العلماء صفحہ ۱۸۹۔

”شیخ جعفر تھجفی کا شف الغطاء غذا خوب کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہمیشہ طبریزی من کے لحاظ سے ایک من کھانا، سودر، ہم پیاز، دس دانہ کالی مرچ اور ایک راس بکری کا بچہ ان کی غذا تھی۔ ہر رات زوجہ سے مقاربت کرتے اور ہمیشہ ایک کنیرا پنے ہمراہ رکھتے اور سفر میں جہاں بھی شہوت کا غلبہ ہوتا، چادر کھنچواتے اور حاجت پوری کر لیتے۔ آپ بہت خوش باش تھے۔ ایک دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ وادیٰ سلام کی زیارت کی خواہش ہوئی تو کچھ لوگوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ ان لوگوں میں ایک شخص میرزا ابو الحسن تھا، وہ گدھے پر سوار تھا۔ سب تو دروازے سے نکل کر ان بزرگوں کے ساتھ ساتھ وادیٰ سلام کی طرف چلے لیکن میرزا ابو الحسن ایک دوسرے راستے کی طرف چل پڑا۔ شیخ جعفر نے آواز دی کہ اس راستے سے کہاں جا رہے ہو؟۔ میرزا ابو الحسن نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں کیونکہ میرا گدھا مجتہد ہے اور اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جہاں وہ چاہے گا لے جائے گا۔“

انہی کا شف الغطاء کے بارے میں صفحہ ۱۹۳ پر لکھتے ہیں۔ ”ایک دفعہ شیخ جعفر تہران آئے۔ یہ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ امین الدولہ کے گھر پہنچے اور اسے گھر سے باہر بلایا اور کہا کہ شیخ کے لئے کسی عورت کا انتظام کرو۔ امین الدولہ کو اس وقت اور تو کچھ نہ سو جھا سوائے اس کے کہ ایک گرجی کنیرا موجود تھی، وہی شیخ کی خدمت میں پیش کر دی۔“

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے مجتہد سے اُس کے مقلدین کیسے کیسے خطرات سے دوچار رہتے ہوں گے۔ لیکن بہر حال جہاں کے گدھے بھی مجتہد ہوتے ہوں، وہاں کے انسانوں سے بھی ہر قسم کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

علامہ حلیٰ کا طریقہ

قصص العلماء۔ صفحہ ۳۶۲۔

علامہ حلیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ جلدی جلدی لکھنے اور زیادہ سے زیادہ تصنیف کرنے کے لائج میں اور تاکہ ان کی تالیفات کا دائرة وسیع سے وسیع تر ہو جائے، علامہ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ ذہن میں آتا تھا لکھ ڈالتے تھے اور جو کچھ اپنے پہلے لکھے ہوئے اقوال و افکار لکھ چکے تھے ان کی طرف دوبارہ رجوع نہیں کرتے تھے، چاہے اپنے پہلے لکھے ہوئے افکار کے خلاف ہی کوئی بات لکھدی ہو۔ اس سلسلے میں مخالفین نے ان پر بڑی تنقید کی ہے۔“

علامہ حلیٰ کے ناقدین کو شاید اس بات کا علم نہیں تھا کہ تضادات ہی تو اجتہاد کی بنیاد ہوا کرتے ہیں۔ علامہ حلیٰ نے بھی وہی کچھ کیا جوان کو کرنا چاہیے تھا۔

خون کا دریا

مجتہدین کے نزدیک محبوب ترین مسئلہ حیض کا مسئلہ ہے۔ جتنا غور و فکروہ اس مسئلے میں کرتے ہیں، شاید ہی کسی اور مسئلے میں کرتے ہوں۔ چنانچہ قصص العلماء صفحہ ۳۸۹ پر علی بن عبدالعالیٰ محقق ثانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ”میں نے علم فتنہ کوئی دفعہ لکھا ہے لیکن فتنہ کے دو مباحث

نے سمجھ پایا، ایک مجھِ حیض اور ایک مجھِ نجح۔ پھر جب میں مکہ گبا تو نجح کے اعمال و مناسک سمجھ میں آگئے لیکن مسائل حیض سمجھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ”سید مرتضی بھی اس معاملے میں کسی سے پچھپے نہ تھے اور دوران نماز بھی اسی مسئلے میں سرکھپاتے رہتے تھے۔
ان کا ایک ایسا ہم واقعہ ہم فصل العلما صفحہ ۲۳۰ سے پیش کر رہے ہیں۔

”سید رضی (سید مرتضی کے چھوٹے بھائی) کی ایک کرامت یہ ہے کہ ایک دفعہ سید رضی نماز میں اپنے بھائی سید مرتضی کی اقتداء کر رہے تھے۔ لیکن جب رکوع میں گئے تو سید رضی نے اپنی فرادہ نماز شروع کر دی اور ان کی اقتداء ترک کر دی۔ بعد میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنی نماز کو فرادہ کیوں کر لیا تو جواب میں کہا کہ جب میں رکوع میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ امام جماعت جو میرے بھائی سید مرتضی ہیں، حیض کے ایک مسئلے میں غور و فکر کر رہے ہیں اور ان کی پوری توجہ (حالت نماز میں) اسی مسئلے پر مرکوز ہے اور وہ خون کے دریا میں غوطے لگا رہے ہیں تو میں نے اپنی نماز کو فرادہ کر لیا۔“

آپ سوچئے کہ وہ مسئلہ کتنا ہم ہو گا جس کیلئے ایک مجتہدا پنی نماز کی بھی پروانہیں کرتا۔

کنجوسی با کچھ اور؟

سید مرتضی ایک انتہائی مالدار شخص تھے۔ حکومت سے وظیفہ الگ ملتا تھا اور ان کی ذاتی جانبیاد الگ تھی۔ فصل العلما صفحہ ۲۲۷ پر ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ”سید مرتضی کی دولت بے پناہ تھی۔ کہتے ہیں کہ بغداد سے لیکر مکہ تک، ہر جگہ سید کی جانبیاد موجود تھی۔“ آپ خود فیصلہ کر لیں کہ ایسے مالدار شخص کیلئے ۲۰۰۰ تومان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ لیکن سید مرتضی نے صرف ۲۰۰۰ تومان کی خاطر شیعہ فقہ کوتا قیامت در بر کر دیا مگر ان کی گرفتہ سے

مال نہ نکلا۔

قصص العلماء صفحہ ۳۲۲۔

”سید مرتضی کے زمانے میں عامہ نے اس بات پر اجماع کر لیا کہ مذہب صرف چار ہیں۔ سید مرتضی نے درخواست کی کہ اجماع پانچ مذاہب پر کیا جائے، جعفری، شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی۔ اس لئے کہ اگر پانچ مذاہبوں پر اجماع ہو جائے گا تو شیعوں کو تقدیر کی ضرورت نہ رہے گی۔ بادشاہ وقت نے کہا کہ اگر ۲۰۰۰ تومان دو تو پانچ مذاہبوں پر اجماع ہو جائے گا۔ سید مرتضی نے کہا کہ تم مجھ سے ۱۰۰۰ اتومان میرے ذاتی مال سے قبول کرو تو وہ لوگ نہ مانے۔ دوسرے شیعوں نے کوئی اقدام نہ کیا کہ دوسرے ہزار تومان کا انتظام ہو جائے تو گل ۲۰۰۰ تومان ہو جائیں۔ چنانچہ چار ہی مذاہبوں پر اجماع ہو گیا۔“

کنجوی تو خیر یہ ہے، مگر ہم اسے صرف کنجوی نہیں کہہ سکتے بلکہ معاملہ کچھ اور بھی تھا۔ اگر یہ دو ہزار تومان ادا کر دینے جاتے اور شیعہ فقہ رجسٹرڈ ہو جاتی تو اس فقہ کی ایک مستقل حیثیت ہو جاتی اور ہر مجتهد کی ایک الگ فقہ نہ ہوتی۔ دو ہزار تومان نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ فتوؤں کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے تھے تاکہ آئندہ آنے والے مجتهدوں کیلئے رزق کے دروازے کھلے رہیں۔

سفید جھوٹ

قصص العلماء صفحہ ۳۱۰۔

”کہتے ہیں کہ کوئی شخص دیہات سے شیخ مفید کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ ایک حاملہ عورت کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے تو کیا عورت کے شکم سے

بچہ کو نکال لیا جائے یا یوں ہی دفن کر دیا جائے؟۔ شیخ مفید نے فرمایا۔ ”یوں ہی دفن کر دو،“ وہ شخص چلا گیا۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار تیزی سے اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو کہا کہ اے شیخ! اب شیخ مفید ارشاد فرمار ہے ہیں کہ اس عورت کا پیٹ کاٹ کر بچے کو نکال لو اور پھر اس عورت کو دفن کرو، تو اس شخص نے اسی بات پر عمل کیا۔ کچھ عرصے بعد یہ سارا ماجرہ شیخ کے سامنے دہرا یا گیا۔ شیخ نے کہا کہ میں نے تو کسی کو نہیں بھیجا تھا، یقیناً وہ صاحب الزمان ہوں گے۔ اب جبکہ ہم سے احکام شرعی میں غلطی ہونے لگی ہے تو اب ہم فتوی نہیں دیا کریں گے اور پھر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اچانک شیخ کے پاس حضرت صاحب الامر کی جانب سے فرمان آیا کہ تمہاری ذمہ داری فتوی دینا ہے اور ہمارا کام اس کو درست کرنا ہے۔ ہم تھیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیں گے کہ تم سے خطاء ہو جائے، تو شیخ نے دوبارہ فتوی دینا شروع کیا۔

جس شخص نے بھی یہ کہانی گھری ہے وہ یا تو عقل سے پیدا ہے یا پھر وہ شیخ مفید کا کوئی دشمن ہے کیونکہ سب سے پہلی چیز جو اس واقعے سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شیخ مفید بغیر علم کے محض اپنی رائے سے فتوی دیا کرتے تھے اور یہاں تو ایک انسانی زندگی کا سوال تھا۔ اگر شیخ مفید کے فتوے پر عمل ہو جاتا اور وہ زندہ بچے اپنی ماں کے ساتھ دن ہو جاتا تو اس کا خون کس کی گردن پر ہوتا؟۔ دوسری بات جو اس کہانی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شیخ مفید نے جاہل تھے اور ان کے پاس اتنا علم بھی نہ تھا جتنا ایک عام آدمی کے پاس ہونا چاہیئے۔ جو مسئلہ ان سے پوچھا گیا تھا وہ کوئی ڈھکی چپکی بات نہ تھی۔ فروع کافی اور من لا تکضرہ الفقيہ شیخ مفید سے بہت پہلے شائع ہو کر عام ہو چکی تھیں اور اہلسنت کی چار فتحیں

بھی بہت پہلے تدوین پاچکی تھیں اور یہ مسئلہ فروع کافی اور من لا تکضرہ الفقیہ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا تھا۔ اور الہسنست کی فقہوں میں بھی یہ مسئلہ بالکل اسی طرح تھا جیسے شیعہ فقہ میں۔ مثلاً فروع کافی، کتاب الجنازہ باب ۲۳ حدیث ۱۔ میں امام موسیٰ کاظمؑ کا یہ فرمان موجود ہے کہ ”اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو پیٹ چاک کر کے بچے کو نکال لیا جائے اور پھر پیٹ کوئی دیا جائے“۔ جو کچھ اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نہ تو شیخ مفید نے فروع کافی کا مطالعہ کیا تھا، نہ انہوں نے من لا تکضرہ الفقیہ کو پڑھا تھا اور نہ وہ دیگر فقہوں سے واقف تھے۔

تیسرا بات یہ ہے کہ کیا امام زمانہ شیخ کو تعلیم نہیں دے سکتے تھے؟۔ بجائے اس کے وہ غلطیاں کرتے رہیں اور آپ تصحیح کرتے رہیں۔ یہ تو ایک بچے کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔ اسے بھی پہلے پورا سبق پڑھایا جاتا ہے، سمجھایا جاتا ہے اور پھر بھی وہ غلطی کرے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔ یہ ”تو ڈھائے جا نہم بنائے جائیں گے“، والا فارمولہ کسی عقلمند کے علق سے نہیں اترے گا۔ پھر سوال یہ ہے کہ کیا امام صرف شیخ مفید پر ہی مہربان تھے اور باقی مجتہدوں کو انہوں نے بے مہار چھوڑ دیا تھا؟۔ ایسا نہ ہوتا تو مجتہدوں کے درمیان ہر مسئلے پر اختلاف نہ ہوتا اور وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کر رہے ہوتے۔

اس قسم کے واقعات تصنیف کرنے اور اپنی تشهیر خود کرنے کے معاملے میں شیخ مفید کافی مشہور ہیں۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کر رکھا ہے کہ زمانہ غبیت کبریٰ میں اُن کے پاس امام کے تین خطوط آئے جن کی ابتدایوں ہوتی تھی کہ ”اے میرے بچے بھائی اور ہدایت یافتہ دوست“۔ آپ جانتے ہیں کہ عالم زر میں تمام بنی آدم سے ولایت علیؑ کا عہد لیا گیا تھا اور

اسی پر انہیں پرکھا جائے گا اور اسی پر ان کی جزاً یا سزاً مرتب ہوگی۔ یہ بات قرآن سے بھی ثابت ہے اور لال تعداد احادیث مخصوص میں بھی اس پر شاہد ہیں۔ لیکن شیخ مفید اس عہد کے منکر تھے (تفصیل کلیئے دیکھیئے ہماری کتاب ”کشف المودۃ“)۔ جو شخص عہدِ است کا منکر ہو کیا وہ سچا بھائی اور ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے؟۔

شراب پاک ہے

یہ عنوان جو ہم نے قائم کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”شراب پاک ہے لیکن کسی سے کہنا نہیں۔“

قصص العلماء صفحہ ۲۰۸، ۲۰۷۔

”ایک دن ملا محمد باقر مجلسی ایک مجلس میں کسی سربرا آور دشمن کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس شخص نے کہا کہ کربلا کے فقہاء میں سے فلاں شخص اس بات کا قائل ہے کہ شراب پاک ہے۔ مجلسی نے کہا کہ وہ غلط کہہ رہا ہے، شراب بخس ہے۔ اس کے بعد ملا باقر مجلس سے اٹھے اور سواری پر سوار ہو کر کربلا آئے تو سب سے پہلے اُس فقہی کے گھر پہنچ گئے میں نے اس سلسلے میں تیری غیبت کی ہے تاکہ لوگ شراب پینے اور اس کا کاروبار کرنے میں جری و بیاک نہ ہو جائیں۔ اب میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ تم سے عفو و بخشش طلب کروں۔“

باقر مجلسی کا مقصد یہ تھا کہ شراب ہے تو پاک لیکن یہ بات سب کے سامنے نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ اس طرح اُن کو شہہ ملے گی اور وہ شراب پینے اور اس کا کاروبار کرنے میں جری ہو جائیں گے۔

مسلم جدا، بات ایک

قصص العلماء صفحہ ۲۵۲۔

”حسن بن ابی عقیل (قدیم ترین مجتهد) امامیہ مجتهدین میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے سینوں کے امام مالک سے موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ آپ قلیل نجاست ملنے سے بخس نہیں ہوتا۔ ان کا دوسرا فتویٰ یہ ہے کہ نمازِ صبح و مغرب میں اذان و اقامت کو واجب سمجھتے ہیں اور اس میں ابن ابی عقیل کی سید مرتضی نے موافقت کی بلکہ یہ تک کہدیا کہ نمازِ صبح و مغرب میں اگر اذان و اقامت نہ کہے تو اس کی نماز باطل ہے۔“

یہ کوئی انوکھا فتویٰ نہیں ہے بلکہ مجتهدین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ فقہ امامیہ اور سنی فقہوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئیں اور آج کل تو یہ کوشش بہاں تک پہنچ گئی ہے کہ شیعہ ستیٰ مذاہب کو ایک کردار یا جائے اور اس کا نام انہوں نے اتحاد بین المسلمين رکھا ہے اور اس کیلئے انہوں نے اپنے کلے، اذان، اقامت اور نماز تک کو قربان کر دیا ہے۔

ایک کروڑ

حشمت صاحب نے اپنی کتاب اسرار الحقائق کے صفحہ ۸۶ پر خمینی صاحب کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں اور آخر میں فخریہ طور پر یہ لکھا ہے کہ ”حضرت سید روح اللہ خمینی کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔“ اگر فضیلت کا یہی معیار ہے تو اس میں بات کرنے کی بہت گنجائش موجود ہے لیکن ہم اس جھمیلے میں نہیں پڑیں گے۔ البتہ اس موقع پر ہمیں برطانیہ کے سابق وزیر اعظم چرچل کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے وہ ضرور آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

ایک دن چرچل کو ایک جلسہِ عام سے خطاب کرنا تھا۔ معلوم نہیں اُس کو کیا سوچی کہ وہ بغیر کسی پروٹوکول کے چیکے سے پچھلے دروازے سے نکلا اور ایک ٹیکسی میں پیٹھ کر جلسہ گاہ کی طرف چل پڑا۔ مقصد صرف ایک سننی پیدا کرنا تھا۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ لوگ جو ق در جو ق جلسہ گاہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ چرچل نے تجاذبِ عارفانہ سے کام لینتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔ ”یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟“ اس نے بڑی بے رخی سے جواب دیا کہ چرچل کی تقریر سننے جا رہے ہیں۔ چرچل نے کہا کہ ”یا تھارا یہ چرچل تو عوام میں بہت مقبول معلوم ہوتا ہے؟“ ٹیکسی ڈرائیور نے بڑا برا سامنہ بناتے ہوئے کہ۔ ”جس دن چرچل کو پہنانی لگے گی اس دن اس سے بھی زیادہ لوگ جائیں گے۔“ ہمیں یہ واقعہ یاد آگیا تھا سو ہم نے سنادیا۔ اب اس سے نتیجہ نکالنا آپ کا کام ہے۔

علماء کی سیرت

قصص العلماء صفحہ۔ ۲۰

”ایک اور حکایت مجلس درس میں بیان ہوئی وہ یہ تھی کہ استاد آقا سید ابراہیم بن سید محمد باقر موسوی وطی درزوجات (اغلام بازی) کا درس دے رہے تھے اور اس کے جائز ہونے کے بارے میں دلائل دے رہے تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ بھی کسی کے ذہن میں کوئی دلیل ہو تو وہ بتائے۔ اس پر ملا محمد علی ترک نے، جوان کے بہترین شاگردوں میں سے تھے، کہا کہ مجھے اس سلسلے میں ایک اور دلیل بھی ملتی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کون سی دلیل ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ علماء کی سیرت میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ اس پر استاد اور سارے حاضرین نہیں پڑے۔“

إن واهي تباهي باتوں پر تبصرہ کر کے ہم اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ رسول اللہ کی ایک حدیث ضرور بیان کریں گے جس میں آپ فرماتے ہیں۔ ”جو شخص مردوں کے ذریعے سے اپنی جنسی تسلیکیں بھانے پر اصرار کرے گا وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک لوگوں کو اپنی طرف دعوت نہ دے گا“۔ (تفسیر نور الحقیقین جلد ۲ صفحہ ۳۲۹)

یعنی جو اس علت میں بیٹلا ہو گا وہ اس علت میں بھی ضرور بیٹلا ہو گا۔

جناب شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

ہم نے مرشدوں کے چند حالات آپ کی خدمت میں پیش کئے ہیں اور اب چلتے چلتے ان کے مریدوں کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں جنہیں دھونے اور پوچھنے کے مسائل میں اس قدر رحمو کر دیا گیا ہے کہ وہ ذہنی مرایض بن کر رہ گئے ہیں اور ہر وقت ان کے دماغ میں اس قسم کے سوالات گردش کرتے رہتے ہیں۔

حِجَابُ السَّالِمِينَ

یہ بات قرآن و احادیث سے بہر طور ثابت ہے کہ تمام عبادات کا وجہ حقیقی حضرات محمدؐ
آل محمدؐ ہیں اور عبادت کوئی بھی ہواں کا اصل مقصد یہی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی
 معرفت اور محبت حاصل کی جائے اور یہ بات ہم نے ”کشف المسائل“ میں ”معرفت عمل“
 کے تحت اچھی طرح ثابت کر دی ہے۔ اسی لئے فلسفہ عبادت یہ ہے کہ جو شے بھی ہمیں
 ان پاک ہستیوں کی طرف متوجہ کرے اور ان کی یاد کوتازہ کرے اور ان کی محبت میں
 اضافہ کرے وہی حقیقی عبادت ہے۔ اور جو شے بھی ہمیں ان حضراتؐ کی طرف سے
 غافل کرے وہی طاغوت ہے۔ مذہب شیعہ جس الہمیے سے دوچار ہے وہ یہی ہے کہ
 شیعوں کو روحِ عبادت سے ہٹا کر صرف ظاہری حرکات و سکنات میں مصروف کر دیا گیا ہے
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنا مقصد حیات فراموش کر کے انہی کاموں میں مشغول ہو گئے اور
 اس مشغلنے میں اس حد تک غرق ہو گئے کہ ان کے ذہنوں میں ہمہ وقت یہی چیزیں گردش
 کرتی رہتی ہیں اور اہلبیتؐ کی طرف ان کا دھیان جاتا ہی نہیں۔ یہ قبر مشیت ہے کہ جب
 انسان اہلبیتؐ سے دور ہو جائے تو پھر لازماً شیطان کیلئے تنوالہ بن جاتا ہے اور الطے
 سید ہے سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ایسے سوالات جو لطیفوں سے
 مشابہ ہوتے ہیں اور جن کو پڑھ کر ایک سنجیدہ انسان بھی بے اختیار کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور
 ہو جاتا ہے۔ گویا اب مذہب قربت خدا کا ذریعہ نہیں بلکہ ذریعہ تفریج بن کر رہ گیا ہے جس کا
 اندازہ آپ کو وہ سوالات پڑھ کر ہو جائے گا جو ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ تمام

سوالات ہم نے آغا خامنہ ای کی کتاب ”استفتاء“ حصہ اول سے اخذ کئے ہیں۔

پہلا سوال

صفحہ ۹۳۔ سوال ۲۰۲۔

”کبामحلے کی مسجد میں ورزش کرنا جائز ہے؟۔ اور اس سلسلے میں دوسری مساجد کا کیا حکم ہے؟“

آج تک کسی بھی مذہب و ملت میں نہ ہم نے دیکھانہ سنایا کہ کسی کو انہی عبادت گاہ میں ورزش کرنے کا خیال آیا ہو۔ مساجد کو جمنازیم ہال میں تبدیل کرنے کا اچھوتا خیال پہلی بار سائل ہی کے حصے میں آیا ہے۔ آئندہ آنے والے سوالات کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہی ہے لیکن ان پر مسکرانے سے پہلے اس بات پر ضرور غور فرمائیے گا کہ اس سوال نے آخر جنم کیسے لیا اور یہ نوبت آئی کیسے! ایسے دیکھا جائے تو یہ سوال کچھ بے جا بھی نہیں کیونکہ جب مسجدیں سیاسی اکھاڑہ بن جائیں تو ان میں ورزش کر لینے میں کیا حرج ہے؟۔

دوسری سوال

صفحہ ۲۱۶۔ سوال ۹۵۸۔

”کیا مال خس بینک کے حوالے سے ارسال کیا جا سکتا ہے؟۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بینک سے جو مال وصول کیا جائے گا وہ عین وہی مال نہ ہوگا کہ جو اس نے اپنے شہر میں بینک کے حوالے کیا ہے؟“۔

پوچھنے والے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مثلاً اس نے اپنے شہر کے بینک میں نوٹ

نمبر 09 NAJ7738409 جمع کرایا ہے تو وصول کرنے والے کو نوٹ نہیں بلکہ کوئی اور نوٹ ملے گا اور یہ بات سائل کو پسند نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ بینک کا کوئی اہلا کاری ہی نوٹ لیکر دوسرے شہر میں جائے اور وصول کنندہ کے حوالے کرے۔ اتنی خالص خمس آپ نے پہلے کبھی دیکھی ہے؟۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ نہ معلوم مفتی صاحب نے اس سوال کا کیا جواب دیا ہوگا۔ اس سوال کا واحد جواب ہے۔ ”تیکی اور پوچھ پوچھ؟“

تیسرا سوال

صفحہ ۳۲۔ سوال ۱۲۱۔

”هم جب وضو کرنا چاہیں تو کیا ضروری ہے کہ وہ ظرف ٹوٹی والا ہو جیسے کیتیلی وغیرہ اور اگر اس ظرف میں ٹوٹی نہ ہو تو کیا اس سے وضو باطل ہے؟۔“

اس سوال سے آپ اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پوچھنے والے کے پاس کتنا فضل وقت موجود ہے اور وہ کتنی فرصت میں ہے۔

چوتھا سوال

صفحہ ۲۸۔ سوال ۱۹۷۔

”واجب یا مستحب غسل کے وقت قبلہ رو ہونا واجب ہے یا نہیں؟“

یہ سوال پڑھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا یہ غسل ہو رہا ہے یا کوئی جانور ذبح ہو رہا ہے؟

پانچواں سوال

صفحہ ۲۶۔ سوال ۸۱۔

”اگر نمکین بانی کو کھولا یا جائے تو کیا اسکی بھاپ سے بنے والے بانی سے وضو کرنا صحیح ہے؟“

میں چلتی خ کرتا ہوں کہ مجھے دنیا میں کوئی ایک ایسا آدمی دکھایا جائے جس نے کبھی ایسا کیا ہو یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو کیونکہ اس کیلئے تو ایک لیبارٹری بنانی پڑے گی جن میں ایسے تمام آلات موجود ہوں جن کے ذریعے بڑی مقدار میں ”عمل تنجیر“ اور ”عمل تقطیر“ کیا جاسکے۔ مگر کیا کیا جائے کہ اب ایسی ہی ذہنی عیاشیوں کا نام دینداری رکھ دیا گیا ہے!

چھٹا سوال

صفحہ ۳۸۔ سوال ۱۳۶۔

”اگر سر کا مسح کرتے وقت ہاتھ اور چہرے کی رطوبت مل جائے تو کیا وضو باطل ہے؟“

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سائل پہلی مرتبہ وضو کر رہا ہے کیونکہ یہ سوال تو وہی شخص پوچھ سکتا ہے جسے وضو کی ابجد کا بھی علم نہ ہو،

ساتواں سوال

صفحہ ۲۷۔ سوال ۱۳۹۔

”اگر دایاں ہاتھ شانے سے کٹ گیا ہو تو کیا اُنہیں پیر کا مسح ساقط ہو جائے گا؟“

ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے کیونکہ معاملہ نازک ہے۔

آٹھواں سوال

صفحہ ۲۰۔ سوال ۱۳۶۔

یہ سوال بڑا پر لطف ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ سائل دریافت کرتا ہے کہ:-

”وضو کے بغیر ”عبداللہ“ اور ”حبیب اللہ“ جیسے ناموں کو چھو نے کا کیا حکم ہے؟“۔

بچپن میں ہم ایک اطیفہ سنا کرتے تھے کہ کسی عورت کے شوہر کا نام ”رحمت اللہ“ تھا جو نکہ اس زمانے میں شوہر کا نام لینا معموب سمجھا جاتا تھا اس لئے جب وہ عورت نماز کا سلام پھیرتی تو اسلام علیکم و رحمتہ اللہ کی بجائے یہ کہا کرتی تھی۔ ”اسلام علیکم مُنِّے“ کے ابا“۔ یہ سوال پڑھ کر ہمیں اپنا بچپن یاد آگیا۔ کاش ہمارا نام بھی عبد اللہ یا حبیب اللہ ہوتا تو لوگ ہمارا نام بھی وضو کر کے لیا کرتے۔

نوال سوال

صفحہ ۲۱۔ سوال ۱۶۱۔

یہ بھی آٹھویں سوال کثیر ہے جس میں ایران کے مونوگرام کو مس کرنے کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ایران کا مونوگرام ”اللہ“ کی شکل میں بنा ہوا ہے۔ سوال یہ ہے:-

”کیا اسلامی جمہوریہ ایران کے مونوگرام کو مس کرنا جو خطوط اور بس کے ٹکٹوں وغیرہ پر نقش ہوتا ہے حرام ہے؟“۔

اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو ڈاکٹنے اور بس کنڈکٹر سے کہا جائے کہ ”میں اس

مونوگرام کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اسلئے تم اسے خود میری جیب میں ڈال دو۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تمام ڈاکخانوں اور بسوں بلکہ تمام دفاتر میں اور ان تمام لوگوں پر جوان مقامات پر آتے جاتے ہیں۔ یہ لازم قرار دیا جائے کہ وہ ہر وقت باوضور ہیں یا پھر ان مقامات پر وضو کامناسب انتظام کیا جائے تاکہ جو بھی آئے وہ پہلے وضو کرے پھر ان چیزوں کو مس کرے۔ جب لوگوں کے پاس اس قسم کے سوالوں کو سوچنے کا وقت ہے تو وضو کرنے میں کون سا وقت لگتا ہے؟۔

دسوال سوال

صفحہ ۳۲۹۔ سوال ۱۷۶۔

”کیا عورتوں پر طبی آلات کے ذریعے داخلی معائنه کے بعد غسلِ جنابت واجب ہے؟۔“

اپنال ایسی خواتین سے بھرے پڑے ہوتے ہیں جن کا طبی آلات کے ذریعے داخلی معائنه کیا جاتا ہے۔ اگر سائل کی بات مان لی جائے تو سارے شہروں کے حمام کم پڑ جائیں گے، اور بے چاری خواتین کو سوائے غسل کرنے کے اور کوئی کام ہی باقی نہ رہے گا۔ طبی آلات سے غسل کا کیا تعلق ہے یہ سائل ہی بہتر جانتا ہوگا۔ ہم تو فقط اس ذہنیت کی نشاندہی کر رہے ہیں جو اہلیت گیلفر سے غفلت کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے اور ہر شخص ایسے ہی مفروضہ سوالات گھر نے میں مصروف نظر آتا ہے اور ایسے ہی مسائل کو جدید دور کے جدید مسائل کہا جاتا ہے۔

گیارہواں سوال

صفحہ ۲۲۔ سوال ۱۷۸۔

یہ بھی گذشتہ سوال ہی کبیر ح ہے جس میں دریافت کیا گیا ہے کہ:-

”اگر دخول کے بغیر ح میں منی پہنچ جائے تو کباغسل جنابت واجب ہے؟“-

اس غریب کو غسل کے بارے میں کچھ پتہ نہیں اور پتہ نہ ہونے کا سبب انہی تقلید ہے اور اسی کی وجہ سے ایسے الٹے سیدھے سوالات ذہن میں بھرے رہتے ہیں۔ یہ تو ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ غسل کا تعلق شہوت سے ہے۔ پیشاب اور پاخانے کا اخراج کیونکہ ایک مخصوص مقام سے ہوتا ہے اس لئے ان چیزوں پر غسل نہیں ہے لیکن مخصوص کا فرمان ہے کہ ماڈہ منویہ کسی ایک مقام سے نہیں بلکہ پورے جسم سے کھنچ کر نکلتا ہے اور جسم کے ہر مسام سے اس کا اخراج ہوتا ہے جو شہوت کی بنابر ہوتا ہے اسلئے اس پر غسل ہے۔

بارہواں سوال

صفحہ ۲۵۔ سوال ۱۸۶۔

”میں ایک زمانے سے غسل جنابت کے سلسلے میں شک میں مبتلا ہوں۔ اس طرح کہ اپنی زوجہ سے مقاربت نہیں کرتا ہوں لیکن غیر ارادی طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ مجھ پر غسل جنابت واجب ہو گیا ہے۔ بلکہ دن بھر میں دو تین مرتبہ غسل کرتا ہوں۔ اس شک نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ اب میرا فریضہ کیا ہے؟“-

یہ مقام عبرت ہے جس سے ہر اس شخص کو ڈرنا چاہیئے جو تقلید کی صورت میں اپنی پوری زندگی

عالِم شک میں گزارتا ہے۔ ایسے شخص کو کبھی اس بات کا یقین حاصل ہوئی نہیں سکتا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ ایک نفسیاتی مریض بن کر رہ جاتا ہے۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں یقین کیطرف۔ جو حاصل نہیں ہو سکتا مگر اطاعتِ معموم سے۔ ”اے صاحبانِ ایمان تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ“۔

تیرہواں سوال

صفحہ ۲۶۵۔ سوال۔

یہ ایک عجیب و غریب سوال ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسا غسل نہ آپ نے کبھی دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔ سوال یہ ہے:-

”دانست نکلواتے وقت اس کے ساتھ مسوز ہے کا بھی کچھ حصہ نکل آتا ہے۔ کیا مسوز ہے کے جزو کو مس کرنے سے غسلِ مس میت واجب ہو جاتا ہے؟“۔

اس صورتِ حال کو اگر حقیقت کا رنگ دے دیا جائے تو ڈاکٹر۔ کمپاؤڈر۔ وارڈ بوانے۔ نرس۔ آیاں۔ میریض اور اس کی تیمارداری کیلئے آنے والے لوگ۔ غرض ایک انبوہ کثیر غسل کرنے میں مصروف نظر آئے گا اور وہ بھی غسلِ مس میت!

چودھواں سوال

صفحہ ۲۷۹۔ سوال۔

”کیا خون پاک ہے؟“

ہم نے ”کشف المسائل“ میں اچھی طرح واضح کر دیا تھا کہ تقلید اور تعلیم میں زمین آسمان کا

فرق ہوتا ہے۔ جاہل ہونا ایک مقلد کیلئے شرط لازمی ہے۔ اور یہ بات مندرجہ بالاسوال سے پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے۔

پندرھواں سوال

صفحہ ۱۶۹۔ سوال ۷۵۔

اگر کوئی امام جماعت ٹریفک کے تمام قوانین کی رعایت کرتے ہوئے موٹرسائیکل سے نماز پڑھانے جاتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ -

اس سوال کا مطلب تو آپ خود صحیح لیکن ہمارے نزدیک تو موٹرسائیکل ایک باعزت اور باوقار سواری ہے جبکہ نیشاپور میں تو ہم نے ایک مولوی صاحب کو گدھ پر بیٹھ کر سفر کرتے دیکھا ہے۔

سو لہواں سوال

صفحہ ۱۶۷۔ سوال ۷۳۔

”وہ کیا طریقہ ہے جس سے خاندان والوں کو نماز صحیح کیلئے بیدار کرنا جائز ہے؟“ -

سوال کی نوعیت بتارہی ہے کہ سائل اس بات کی رخصت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو صحیح کیلئے بذریعہ ڈالا اور مار پیٹ بیدار کر سکے۔ یہ پرتشدد ذہنیت لازمی نتیجہ ہے مذہبی تنگ نظری کا۔ ہم نے بچشم خود ایسے گھرانے دیکھے ہیں جہاں صحیح کے وقت شورِ قیامت برپا ہوتا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ڈنڈے کا نہ سب۔

ستھوال سوال

یہ سوال اور اس سے اگلا سوال خواتین پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو آزمانے سے متعلق ہے۔

صفحہ ۲۵۰۔ سوال ۱۰۹۲۔

”اُن عورتوں کو امر و نہی کرنے کا کیا حکم ہے جن کا حجاب ناقص ہے؟ اور اگر ان کو زبان سے امر و نہی کرتے وقت شهوت کے ابھر نے کا خوف ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟“-
کیا کہنے اس تقدس و تقوی کے جسمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے بھی شهوت غالب آجائے! چلے ہیں امر و نہی کرنے اور حالت یہ ہے کہ عورت کی ایک جھلک کی بھی برداشت نہیں۔

ز اہنداشت تابِ جمال پری رخان
جُنے گرفت یادِ خدا را بہانہ ساخت
(چونکہ ز اہم پری رخوان کے جمال کی تاب نہیں رکھتا تھا اس لئے وہ یادِ خدا کا بہانہ کر کے ایک کونے میں بیٹھ گیا)

اٹھارواں سوال

صفحہ ۲۵۶۔ سوال ۱۱۱۲

”بعض برادران امر بالمعروف نہی عن المنکر کی غرض سے ایسے مقامات پر جاتے ہیں جہاں اکثر بے پرده عورتیں جمع ہوتی ہیں تاکہ انہیں وعظ و نصیحت کریں۔ کیا ان کیلئے

چائز ہے کہ بے پرده عورتوں کی طرف دیکھیں؟۔

ایسے مناظر ہمارے پاکستان میں اکثر و پیشتر نظر آتے ہیں کیونکہ یہاں خواتین پر امر و نہیں کرنے کا جذبہ اپنے عروج پر ہے چنانچہ کراچی میں عوامی مقامات مثلاً طارق روڈ اور کلفٹن وغیرہ پر جہاں خواتین کا ایک جم غیر موجود ہوتا ہے آپ کو ایسے نوجوانوں کا ایک ہجوم نظر آئے گا جو امر و نہیں کا شدید ذوق رکھتے ہیں۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے تو اصولی طور پر عورتوں کی امر و نہیں کیلئے تو خود عورتوں کو ہی جانا چاہیے۔ مردوں کا وہاں کیا کام؟۔ لیکن اگر اس کے بغیر چارہ نہیں تو پھر ایک ہی صورت ہے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر جایا جائے اور اگر یہ ممکن نہیں تو پھر ڈرکس کا ہے۔ بسم اللہ!

انیسوال سوال

صفحہ ۱۸۰۔ سوال ۸۱۰۔

”کیا باخانے کے مقام سے شہوانی غدوہ کو حرکت میں لا کر منی خارج کی جاسکتی ہے؟۔
جبکہ ایسی حالت میں نہ بدن میں سستی پیدا ہوتی ہے اور نہ منی اچھل کر لکتی ہے؟۔“
آپ سوال کو غور سے پڑھیں اور یہ سوچیں کہ سائل کس بات کی رخصت حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔

محظی حیرت ہے کہ ان مقلد لوگوں نے خامنہ ای کو سمجھا کیا ہے؟۔ کیا اب اس قسم کے طریقے بھی آغا صاحب ہی بتائیں گے؟۔

دشمنی معصوم

کشف الحقائق میں ہم نے اسی عنوان کے تحت چند باتیں لکھی تھیں جن پر بڑی لے دے
مجھی تھی لیکن جو اہلیت سے محبت کرنے والے ہیں ان کو اُس وقت بھی یقین آگیا تھا اور آج
بھی یقین ہے کہ نظام اجتہاد چونکہ اہلیت کے متوازی ایک نظام ہے اور اس کا مقصد
مرجعیت اہلیت سے چھین کر اپنی طرف منتقل کرنا تھا اسلئے بغیر دشمنی معصوم یہ نظام چل ہی
نہیں سکتا تھا۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جیسی دشمنی کا مظاہرہ ان بڑے بڑے مجتہدوں
نے کیا ہے ویسا تو شاید بنی امیہ اور بنی عباس نے بھی نہ کیا ہو۔ انہوں نے تو شیعوں کو قتل کیا
تھا لیکن انہوں نے شیعہ مذہب کو قتل کر دیا اور اگر آپ صرف مجتہدین ہی کی کتابوں پر انحصار
کریں تو آپ کو یقین آجائے گا کہ آج روئے زمین پر شیعہ مذہب کوئی وجود نہیں رکھتا۔
یہ لوگ جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب کی دو بنیادیں ہیں۔ ولایت علیٰ اور عزاداری حسین اُس
لنے ان کا پورا ذرائعی دو چیزوں کے مٹانے پر ہے۔ اب تو نوبت یہ آگئی ہے کہ جو
بھی ”علیٰ ولی اللہ“ کے اسے نصیری کہا جاتا ہے۔ مجلسِ عزا میں ذکرِ علیٰ مفقود ہوتا جا رہا
ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی طرح کر بلاء بھی لوگوں کو بدظن کر دیا جائے۔ ”علیٰ ولی
اللہ سے دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ حافظ بشیر بخشی نے ”مخصر الاحکام“، ”صفحہ“ اپر یہ فتویٰ دے دیا
ہے کہ ”جو شخص تشدید نماز میں شہادت ثالثہ پڑھتا ہے، اس کے پیچے نماز جائز نہیں۔“
اسی طرح کوشش کی جا رہی ہے کہ مجلسِ حسین کو مسائل فقہ یا سیاست کا مرکز بنادیا جائے
اور اہلیت کا ذکر تک نہ آنے پائے۔ لوگوں کو حسین کے نام پر جمع کیا جاتا ہے لیکن کہانیاں

امریکا، اسرائیل اور فلسطین کی سنائی جاتی ہیں۔ عمل ایک دم نہیں ہو گیا بلکہ لوگوں کو آہستہ آہستہ اس کا عادی بنایا گیا ہے۔ شہید مرتضیٰ مطہری اپنی کتاب ”سخن“ کے صفحہ ۲۵۶ پر اس تمنا کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

”اب چونکہ سید الشہداءؑ کے نام پر مجالس ترتیب دی جاتی ہیں اور انہی کے نام پر لوگ جمع ہوتے ہیں تو کیوں نہ ہم اس موقع سے ایک اور فائدہ اٹھائیں اور کیوں نہ خمناً ایک اور اصول پر بھی عمل پیرا ہوں؟۔ وہ اصول امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے۔ اس طرح امام حسینؑ کے دو منبر ہوں گے۔ ایک منبر تو مرثیہ خوانی اور مظلوم کی حمایت اور ظلم کی مخالفت میں اظہار جذبات کا اور دوسرا منبر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا“۔

اس مقام پر ہمیں کوئی طول طویل گفتگو نہیں کرنی۔ مقصد فقط منکرین کا منح بند کرنا ہے۔ انٹرنیٹ پر آجکل ایسا ایسا زہریلا مواد ملتا ہے کہ انسان چھینیں مار مار کر رونے لگے۔ یہ مواد ساری دنیا پڑھتی ہے اس لئے اہلبیتؐ کے خلاف خرافات بکنا ان لوگوں کیلئے آسان ہو گیا۔ جو مواد ہم آپؐ کی خدمت میں پیش کرنے جا رہے ہیں، وہ بھی ہم نے انٹرنیٹ سے ہی اٹھایا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی مجتهد کی حمایت کرتا ہے تو اس کے ناصبی ہونے میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہ جاتا۔ جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں اس کیلئے ہم پیشگی مغذرت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسا مواد ہے جس سے یقیناً آپؐ کو شدید قلبی اور ذہنی تکلیف پہنچ گی لیکن فائدہ اس کا یہ ہو گا کہ آپؐ کو باطل اور اہل باطل کی پہچان ضرور ہو جائے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ ان کا خصوصی ہدف مولا امیر المؤمنین اور مولا حسینؑ ہیں۔

ا۔ کتاب:- شہید جاوید
 مؤلف: نعمت اللہ صالحی نجف آبادی
 ناشر: خدمات فرنگی رسا طہران (ایران) ٹیلیفون: ۸۳۹۹۵۰- چودھویں ایڈیشن
 صفحہ: ۲۱، ۲۰، ۵۹ وغیرہ

(الف) ”اممہ بغیر حکومت کے دین کی خدمت نہیں کر سکتے“۔

اگر یہی بات ہے تو بات صرف ائمہ تک ہی کیوں محدود رہے۔ ایک لاکھ چونیس ہزار انبیاءؑ میں سے صرف چار کو حکومت ملی تھی۔ حضرت یوسفؐ، حضرت داؤؓ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت خاتم الانبیاء۔ باقی ایک لاکھ تیس ہزار نو سو چھانوے انبیاءؑ کو حکومت نہیں ملی تھی۔ مؤلف کے فارمولے کے تحت یہ ماننا پڑے گا کہ انبیاءؑ نے بھی دین کی کوئی خدمت نہیں کی اور (معاذ اللہ) اس طرح اللہ تعالیٰ کا پورا نظامِ نبوت ہی ناکام ہو گیا۔ مقصد یہ ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؐ نے دین کی کوئی خدمت نہیں کی۔ وہ تو صرف دنیا میں آئے، گھومے پھرے، کھایا پیا اور چلے گئے، خدمتِ دین تو صرف خیمنی اور خامنہ ای نے کی ہے کیونکہ ان کے پاس حکومت ہے!

(ب) صفحہ ۲۳، ۲۴ وغیرہ

”امام حسینؑ (معاذ اللہ) حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑے تھے“۔

یہ وہی الزام ہے جو اہلسنت اور یزید کے جماعتی صدیوں سے لگاتے چلے آرہے ہیں اور شیعہ ہمیشہ اس کا دفاع کرتے چلے آئے ہیں۔ آج اسی الزام کو سچ نتائج کیا جا رہا ہے اور حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کی عظیم قربانیوں کو بے قیمت کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام حسینؑ معاذ اللہ حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑے تھے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ (معاذ

اللہ) وہ شکست کھا گئے۔ اور چونکہ وہ وارثِ انبیاء تھے اسلئے تمام انبیاء علیہ شکست کھا گئے۔ اور چونکہ انبیاء علیہ شکست کھا گیا تو گویا خود اللہ شکست کھا گیا (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ان لوگوں کو غیرت آئی چاہیے اور ان کو بھی جوان کو پڑھ کر سراہتے ہیں۔ یہ تو سیدھی سیدھی اللہ سے دشمنی ہوئی۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۰ وغیرہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ ”امام حسین“ جنگ جیت کر حکومت حاصل کر لیں گے، اس امید پر یزید سے لڑنے آئے تھے۔ اس جملے میں تواضیخ طور پر امام حسینؑ کی شکست کا اعلان کر دیا گیا۔

(ج)۔ صفحہ ۳۷۲۔

”امام حسینؑ خطرہ بڑھ جانے کے باوجود نبیؐ، ماںؐ اور بھائیؐ کی قبروں پر رخصت ہونے کے لئے گئے، یہ ان کا (معاذ اللہ) غلط کام تھا۔ ان کو تو مدینہ چھوڑ کر فوراً بھاگ جانا چاہیئے تھا۔“

خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، یہ خود بھگوڑوں کی اولادیں ہیں اسلئے ان پاک ہستیوں کے بارے میں بھی اسی طرح سوچتے ہیں۔

(د) صفحہ ۳۸۲، ۳۸۳۔

”امدادِ غیبی (یعنی فرشتوں اور جاتات کی مدد) قبول نہ کر کے (معاذ اللہ) حسینؑ نے سرست نبیؐ کے خلاف کام کیا ہے۔“

حسینؑ نبیؐ کا وارث ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کتنے حالات میں کیا کرنا ہے۔ ان شیطان کے پچار یوں کو کیا پتہ کہ نبیؐ کون ہے اور اس کی سیرت کیا!

(ه)۔ صفحہ ۳۸، ۷۳

”امام حسینؑ نے کوفہ نہ جا کر (معاذ اللہ) رُوا کیا۔ اگر چلے جاتے تو اپنے مقصد حکومت میں کامیاب ہو جاتے“۔

جیسے بھی کوخواب میں پھیپھڑے ہی نظر آتے ہیں اسی طرح ان اقتدار کے ماروں کو بھی ہر چیز میں حکومت ہی نظر آتی ہے۔

(و)۔ صفحہ ۲۳۵۔

”جب امام حسینؑ کے ساتھی پوچھتے تھے کہ ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں، کس لئے جا رہے ہیں، کہاں رکنا ہے اور کب تک ہم چلتے رہیں گے؟ تو امام حسینؑ فرماتے تھے کہ ہمیں خوب نہیں معلوم کہ ہم کو کہاں جانا ہے (معاذ اللہ)“۔

اس ملعون کا خیال یہ ہے کہ امام حسینؑ کے پیش نظر کوئی مقصد نہیں تھا اور وہ بغیر کچھ سوچ سمجھے گھر سے نکل پڑے تھے اور بغیر کسی منزل کے بیان نور دی کر رہے تھے۔ آپ سوچئے کہ اگر بنی امیہ کا کوئی آدمی امام حسینؑ کے خلاف لکھتا تو اس سے زیادہ اور کیا لکھ سکتا تھا؟۔

(ز)۔ صفحہ ۵۱۶، ۳۳۶، ۵۱۷۔

”حضرت علیؑ نے خلفاء کی اور امام حسینؑ نے معاویہ کی بیعت کی تھی“۔

(ح)۔ صفحہ ۳۷۱، ۳۷۷۔

”امام حسینؑ نے محمد حفیہ کو یہ خط لکھا کہ میں اپنے جد (رسول اللہ)، اپنے بابا اور ابو بکر و عمر و عثمان کی سیرت پر عمل کر رہا ہوں“۔

(ط) صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۳۔

”اسلام حسینؑ کی شہادت سے زندہ نہیں ہوا بلکہ اسلام کو حسینؑ کی شہادت سے بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔“

کیا اب بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

(ی) صفحہ ۵۸ اور دیگر مختلف مقامات پر فرماتے ہیں کہ ”انہہ اور انہیا علم غیب نہیں جانتے تھے“۔ اس کے بعد صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸ وغیرہ پر کیا فرماتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

”اگر علم غیب جانتے ہوئے حضرت علیؓ مسجد کوفہ میں گئے اور امام حسینؑ کربلا میں آئے تو دونوں اماموںؑ نے (معاذ اللہ) حرام کام کیا ہے اور انؑ کی شہادت میں شک ہے۔“

اب بھی اگر کسی کی غیرت نہ جاگے اور وہ بدستور مجتہدوں کی جمایت کرتا رہے تو اس پر اللہ و ملائکہ کی لعنت اور جو ایسے شخص سے راضی ہو، اس پر بھی لعنت۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ اس گمراہ کن کتاب کا مقدمہ (بزمِ خود آیت اللہ) منتظری نے لکھا ہے جس میں اس نے اس کتاب ”شہید جاوید“ کی خوب خوب تعریف کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ از لحاظِ عقائد یہ کتاب درست ہے۔

۲۔ کتاب: دیدگاہِ حائی امام خمینی۔ ناشر نمونہ ایران قم۔ خرداد ماہ ۱۳۶۲ء۔
صفحہ ۲۸ پر خمینی صاحب فرماتے ہیں۔ ”اسلام کو میں نے زندہ کیا ہے درآں حالیکہ اسلام برائے نام بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔“

امامؑ کا کام دین کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ حضرت صاحب الزمانؑ، اگرچہ غیبت میں ہیں لیکن امامؑ وقت ہیں اور حفاظت دین کے فرائض میں شامل ہیں۔ جس دین کو حسینؑ نے

اپنا لہو دے کر زندہ کیا تھا اور جو انہے طاہرین کی حفاظت و نگرانی میں رہا، خمینی صاحب کا خیال ہے کہ وہ دین مرچ کا تھا اور بزعم خود، خمینی نے اس کو زندہ کیا ہے اور زندہ ہو کر وہ کیا بن گیا ہے یہ بات خود خمینی ہی کی زبان سے سنئے جو صفحہ ۱۰ پر درج ہے۔ فرماتے ہیں۔

”سینیوں کے پیچھے نمازیں ادا کرو، جیسے وہ عمل کریں ویسے ہی تم بھی عمل کرو“۔ اسی طرح رسالہ نوین صفحہ ۲۶۸ پر فرماتے ہیں۔ ”جو شخص کسی سنتی کے پیچھے نماز جماعت پہلی صاف میں ادا کرے تو اس نے گوبار رسول اللہ کے پیچھے پہلی صاف میں نماز ادا کی ہے“۔ اسی زندہ شدہ اسلام کی ایک اور تصویر ہم اگلے حوالے میں دکھاتے ہیں۔

۳۔ کتاب: مشعل اتحاد

مؤلف: عبدالکریم بی آزاد شیرازی

ناشر: مؤسسه انجام کتاب تهران

(ا)۔ صفحہ ۷۵۔ ”سنتی شیعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ تو صرف ان کے رہبروں (یعنی خلفاء عثلاشہ، معاویہ اور یزید وغیرہ) پر جھوٹے الزامات و تهمات کا نتیجہ ہے۔“

کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں پر الزامات لگانے والوں میں کون کون شامل ہیں؟۔

(ب)۔ صفحہ ۱۲۶۔ ”ہم میں سے کوئی شخص بھی خلفاء کے زمانے میں نہیں تھا لہذا ہم کسے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون حق پر تھا اور کیا حق تھا“۔

محترم! جب آپ نے ایک اصول بنالیا کہ کسی کو ماننے یا رد کرنے کیلئے اس کے زمانے میں موجود ہونا ضروری ہے تو آپ رسول اللہ کے زمانے میں بھی نہیں تھے لہذا آپ کسے فیصلہ

کر سکتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ کے رسول تھے یا نہیں؟

(ج)۔ صفحہ ۷۔ ”ہم سب کا شعار فقط اور فاظ لا إله إلا الله وَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ“

(د)۔ صفحہ ۱۲۰۔ ”امامت اصول نہ ہب میں ہے مگر اصول دین میں شامل نہیں۔ لہذا اگر اتحاد کیلئے ہم امامت کا انکار کر دیں اور امامت کو نہ مانیں تب بھی ہم مسلمان تو رہیں گے۔“

کمال ہے! تکمیل دین تو اعلان امامت سے ہوئی تھی لیکن آپ نے اللہ کے حکم کو کا عدم قرار دیتے ہوئے اور اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے امامت کو دین سے نکال باہر کیا اور مسلمان کے مسلمان رہے۔ تو پھر آپ نے اپنے ساتھ لفظ ”شیعہ“ کیوں چپ کا رکھا ہے؟ کیا یہی دین ہے جسے خمینی نے زندہ کیا ہے؟

(ه)۔ صفحہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳۔

”امیر المؤمنین نے ابو بکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی..... حضرت علیؑ تینوں خلفاء کو اتنا مانتے تھے کہ اپنے بیٹوں کا نام بھی انہی کے ناموں پر رکھا تھا۔“

(و)۔ صفحہ ۲۶۔ ”نبیؐ خلفاء کے پچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔“

۳۔ کتاب:۔ فرید حسای مطہری بر تحریف عاشورا

مؤلف:۔ شہید مرتضی مطہری

ناشر:۔ طبع نمونہ قم

(الف)۔ صفحہ ۷ اور ۱۵۶۔

”ہندوستان کی مجالس میں واقعات کر بلا غلط بیان کئے جاتے ہیں، اس کی روک تھام

کرنا چاہیے۔

(ب) صفحہ ۱۲۶ اور ۱۱۶۔

”حسینؑ کی صفت عزاء سمیٹ لینا چاہیے، اس لئے کہ اس میں اکثر جھوٹی باتیں بھری ہوئی ہیں۔“

(ج) صفحہ ۳۷۔

”جناب قاسمؑ کا لاشہ پامال نہیں ہوا، وہ زندہ تھے، ہاں ان کی جگہ پر ایک دشمن پامال ہو گیا تھا۔“

(د) صفحہ ۲۸۔

”عمر سعد بہت تھوڑے آدمیوں کو لے کر کربلا میں آیا تھا اور امام حسینؑ نے بھی بہت کم لوگوں کو تلوار سے قتل کیا۔ زیادہ کی روایتیں اس لئے غلط ہیں کہ امام حسینؑ تلوار سے جنگ کر رہے تھے نہ کہ بم سے۔“

آپ اس گستاخانہ لجھ کا نوش لیں جو امام مظلوم کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ محض امام حسینؑ کی اہمیت کم کرنے کیلئے اس شخص نے تاریخ کو بھی جھلانے سے گریز نہیں کیا۔ عمر سعد چار ہزار کا لشکر لیکر آیا تھا لیکن وہاں صرف عمر سعد ہی کا لشکر نہیں تھا بلکہ مختلف سالار مختلف تعداد میں اپنے اپنے لشکر لے کر آئے اور ان تمام لشکروں کی مجموعی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جنہوں نے لشکروں کو آتے دیکھا انہوں نے اس کی تعداد تو لاکھ لکھی اور جنہوں نے زندہ نج جانے والے لشکروں والوں جاتے دیکھا انہوں نے اس کی تعداد میں ہزار لکھی ہے۔ مقائل میں شہداء کر بلا کی جنگوں کا احوال لکھا ہوا ہے۔ لشکرِ حسینؑ کے بچوں تک نے اس وقت تک

شہادت نہیں پائی جب تک سینکڑوں ملاعین کو فی النار نہ کر دیا۔ پھر جنگ آزمودہ مجاہدوں خصوصاً حضرت عباسؑ علمدار نے لشکر یزید کو کیسا تھس نہیں نہ کیا ہوگا۔ اور امامؑ کا آخری حملہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، وہ تو ہر مقتل میں تفصیل کے ساتھ درج ہے اور لشکر یزید کے آخری دستے کا باب کوفہ تک پہنچ جانا تو مشہور ترین روایت ہے لیکن چونکہ اس سے امام حسینؑ کی شانِ شجاعت ظاہر ہوتی ہے اس لئے یہ بات مطہری کو چھپی نہیں لگی۔ دشمنی اور کس چیز کا نام ہے؟ یہی خرافات انہوں نے حضرت عباسؑ کیلئے بھی کی ہے جیسا کہ صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے۔ ”جتنگ صفين میں حضرت عباسؑ کا وجود غلط ہے۔ اس لئے کہ ۱۵۱ سال کا بچہ بھلا اتنوں کو قتل کیسے کر سکتا ہے؟۔ یہ بدجنت اُن ذواتِ مقدسہ کا قیاس خود پر کر رہا ہے کہ جیسے یہ خود ایک چوہا مارنے کی بھی سکت نہیں رکھتا، اس کے خیال میں شہداء کر بلکہ (معاذ اللہ) ایسے ہی ہوں گے۔

(ه) صفحہ ۳۵، ۳۶۔

”حضرت علیؑ کی تلوار دو برابر حصوں میں کاٹتی تھی، یہ سب جھوٹ اور ایک گھڑا ہوا افسانہ ہے“۔

یہاں یہ دشمنِ اہلبیت ایک ایسی حقیقت کا انکار کر رہا ہے جس کا اقرار دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی کرتے ہیں۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزر اک ایک ایسا ہی واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب سعودیوں نے نجف پر حملہ کیا تھا اور راتوں رات ان کا پورا لشکر مقتول پڑا تھا اور ہر مقتول دو برابر حصوں میں تقسیم تھا۔ اُس رات روضے کے مجاور کے خواب میں امیر المؤمنین تشریف لائے اور اس سے کہا کہ یہ لوگ صحیح تھے کہ کڑکر لے جائیں گے اور پوچھیں گے کہ

ان کے دہشت گردوں کو کس نے قتل کیا؟ - تجویب دینا کہ ”علیؑ نے“، وہ اگر ثبوت مانگیں تو کہنا کہ ہر لاش کے دونوں ٹکڑوں کو ترازو میں تول لو۔ اگر دونوں ٹکڑے برابر نہ ہوں تو سمجھنا کہ میں جھوٹا ہوں، اور اگر برابر ہوں تو سمجھ لینا کہ انہیں علیؑ نے قتل کیا ہے۔ یہ واقعہ
بہت مشہور ہے اور دنیا بھر کے اخبارات میں چھپ چکا ہے۔ جس بات کو علیؑ کے دشمن
تک تسلیم کر رہے ہیں، مطہری اس بات کا بھی منکر ہے۔

(و) صفحہ ۵۹۔

”مجالسوں کا سلسلہ پہلے کبھی نہیں تھا۔ یہ پانچ سو سال کی ایجاد ہے جو کہ غلط ہے۔“
شیعوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ مجلسِ حسینؑ کی ابتداء مظلومہ شام نے زندان سے رہائی کے بعد
کی تھی۔ اس کے بعد ہر امامؑ نے اس کا اہتمام کیا اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ یہ ایک
تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی اندھا ہی کر سکتا ہے لیکن دشمنیِ حسینؑ میں مطہری نے
اندھا ہونا بھی قبول کر لیا۔ اگر حشم میں تھوڑی سی بھی حیا باقی ہے تو اپنے مراجع پر تین حرف
بھیج کر صفتِ حسینؑ میں شامل ہو جائے اور اگر جہنم میں ان کا حصہ دار ہی بننا چاہتا ہے تو ثابت
کرے کہ ائمہؑ نے مجلسِ حسینؑ پر پانیں کی جو وہ قیامت تک نہیں کر سکتا۔ مجلسِ غم ہے کیا؟۔
یہ اپنے بچھرے ہوئے پیاروں کو یاد کرنے کا ایک بہانہ ہے اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس
میں یہ رسم رائج نہ ہو۔ ہر قوم اپنے اپنے طریقے سے یہ رسم مناتی ہے لیکن کبھی کسی نے اس پر
انگلی نہیں اٹھائی۔ لیکن حسینؑ ایسا مظلوم ہے جس کی یادمنانا بھی حشم کے مرشدوں کو برالگتا
ہے اور کیوں برانہ لگے جبکہ حسینؑ نے قیامت تک مذہبی شعبدہ بازی کے تمام دروازے بند
کر دیئے ہیں اور جب تک حسینؑ کی مجالس باقی ہیں (اور ان شاء اللہ قیامت تک باقی رہیں)

گی) اس وقت تک کسی کی مجال نہیں کہ دین خدا کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔

(ز) صفحہ ۲۶۔

”ایسا نہیں ہے کہ حسین واصحابِ حسین تین روز کے بھوکے پیاس سے رہے ہوں۔ ان کے درمیان ایک دو مرتبہ پانی مہما کیا گیا یہاں تک کہ شب عاشور پانی لا یا گیا۔ سب نے غسل کیا اور اپنے جسموں کو مل کر خوب دھویا۔“

لکھنؤ کے ایک مشہور مجتهد علی نقی (نقن) نے اپنی کتاب ”شہید انسانیت“ میں یہی بات لکھدی تھی تو پوری شیعہ قوم یہاں تک کہ ان کے مقلدین نے بھی ان کا سو شل بازیکاٹ کر دیا تھا اور آخر کار انہیں یہ الفاظ اپی کتاب میں سے نکالنے پڑے۔ شاید اس زمانے کے لوگوں میں کچھ مذہبی حمیت باقی تھی لیکن آج یہ حال ہے کہ اگر مجتهدین اللہ کا بھی انکار کر دیں تو ان کے مقلدین اس بات پر بھی لیکیں کہیں گے۔ حرمت ہوتی ہے کہ مطہری جیسا شخص جو روایات کی چھان بین کا بہت بڑا داعی ہے، ایسی موضوع روایات کی بنیاد پر مظلومیت حسین کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرے۔ آپ خود سوچئے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ حسین کے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہوں اور ان کی ”اعطش! اعطش!“ کی آوازیں دشمنوں کے لشکر تک جاری ہوں اور اصحابِ حسین کا یہ حال ہو کہ وہ (معاذ اللہ) نہانے دھونے میں مشغول ہوں۔

حسین کی پیاس تو ایسی پیاس ہے جو ضرب المثل بن گئی ہے۔ جب آپ بطن مادر میں تھے تو ایک روز رسول اللہ اپنی بیٹی کے گھر آئے۔ بی بی نے فرمایا۔ ”بابا یہ بچہ بڑا عجیب ہے، یہ مجھ سے تہائی میں باتیں کرتا ہے۔“ رسول اللہ نے پوچھا۔ ”بیٹی یہ تم سے کیا کہتا ہے؟“ آپ نے فرمایا۔ ”بابا یہ مجھ سے کہتا ہے“ ”یا اُمّاہ؟ اُنی عطشان؟“ یعنی امّاں! میں پیاسا ہوں،“

ایسے پیاس سے شہید کی پیاس کو متنازع ہے بنانے والا اگر حسینؑ کا شمن نہیں تو کون ہے؟ - حشم ہمیں بتائے کہ وہ کس طرف ہے؟، حسینؑ کی طرف یا اپنے مرشدوں کی طرف؟۔

(ح) - صفحہ ۳۸۔

”کیا فاطمہ زہراء بچہ ہیں جو چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی حسین پر روتی ہوں اور دوسرے لوگ مجلسوں میں روئیں اور ان کو تسلی دیں؟ - یہ سب مسخرہ ہیں ہے اور یہی چیزیں دین کو خراب کرتی ہیں“۔

اس قسم کی چیزیں مطہری کی دوسری کتاب ”جماسۃ حسینی“، جلد اول کے صفحہ ۳۶ پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

وہ کون سا شیعہ ہوگا جس کا دل یہ بتیں پڑھکر خون نہ ہو گیا ہوگا؟ - حسینؑ کے غم کو تو حسینؑ کے غلام بھی آج تک نہ بھول پائے تو کیا حسینؑ کی ماں بھول جائے گی؟ - قبر حسینؑ کے گرد چار ہزار فرشتے ہمہ وقت طواف کرتے رہتے ہیں، ان کے بال پر بیشان اور خاک آلوہ ہوتے ہیں اور ان کو سوا ہے حسینؑ پر گریہ کرنے کے اور کوئی کام نہیں۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو روز عاشورا حسینؑ کی نصرت کیلئے آئے تھے لیکن اجازتِ امامؑ نہ ملنے کی وجہ سے نصرت سے محروم رہے۔ خاکِ مرقدِ حسینؑ آج بھی روز عاشورا سرخ ہو جاتی ہے۔ ہر شے حسینؑ کے غم میں روتی ہے اور روتی رہے گی۔

حسینؑ غم میں ترے کائنات روتی ہے

نکل کے روتا ہے دن، چھپ کے رات روتی ہے

ہماری دعا تو بس یہ ہے کہ پروردگار! غمِ حسینؑ پر اعتراض کرنے والوں، اس میں روٹے اٹکانے والوں اور حسینؑ کی مادرِ گرامی کا مذاق اڑانے والوں پر عذاب بالائے عذاب نازل

فرما۔ اگر وہ مر گئے ہیں تو ان کی قبروں کو آگ سے بھردے اور اگر وہ زندہ ہیں تو ان کو نیست
و نابود فرم۔ ہمارے زمانے کے امامؐ کے ظہور میں تعمیل فرماتا کہ وہ تشریف لا کر حسینؑ کے
دشمنوں سے انتقام لیں اور اپنی جدؓ ہ جناب فاطمۃ الزہراء کا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ آمین یا الہی ثم
آمین۔

کفر کی انتہاء

یہی وہ عنوان ہے جس نے ہمیں یہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا ورنہ ہم حشم کی خرافات کا ہرگز جواب نہ دیتے لیکن جب اُس نے انہم طاہرین کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کی تو ایسی صورت میں خاموش رہنا ہمارے لئے ممکن نہ رہا اور اگر ہم اس موقع پر اپنے مالکوں کا دفاع نہ کرتے تو ہمارا شمار غداروں اور نمک حراموں میں ہوتا۔ لیکن ہمیں اپنے مومن بھائیوں سے بھی گلہ ہے کہ جب وہ ایسی تحریریں پڑھتے ہیں تو کیونکر خاموش رہ جاتے ہیں؟۔ تمام مومنین کا انفرادی طور پر یہ فرض ہے کہ جب بھی وہ کسی کی زبان سے اپنے آقاوں کی شان میں کوئی گستاخانہ کلام سنیں تو فوراً ٹوکیں اور اس کی زبان بند کریں اور اگر اس کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو اس سے کنارہ کش ہو جائیں، اس سے کوئی مطلب واسطہ نہ رکھیں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس بات پر راضی ہیں اور کسی کے کام سے راضی رہنے والا ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ کام کرنے والا۔

حشم ہمارے خلاف دل کی بھڑاس نکالتے نکلتے جب اُس مقام پر پہنچا جہاں ہم نے نمازِ عیدین کے قتوت پر گفتگو کی تھی تو اس کی رگِ ناصیت بھڑکی اور اس کے قلم سے وہ سب کچھ باہر آگیا جو اس نے لوگوں سے چھپا رکھا تھا۔ ہم نے قتوتِ عیدین کے اس جملے کی نشاندہی کی تھی جو مومنین سے سال میں اٹھارہ بار کھلوایا جاتا ہے اور وہ یہ جملہ ہے۔ ”وَأَنْ تُخْرِجَنِي مِنْ كُلِّ سَوِءٍ أَخْرَجْتَ مِنْهُ مُحَمَّدًا وَآلِ مُحَمَّدٍ“۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (معاذ اللہ معاذ اللہ) ”پروردگار مجھے تمام برائیوں سے نکال جس طرح

تو نے محمد وآل محمد کو (تمام برائیوں سے) نکالا تھا۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ نکالا اُس کو جاتا ہے جو اندر ہو۔ اس طرح اس دعا کا مطلب یہ یہ کلتا ہے کہ (معاذ اللہ) محمد وآل محمد تمام کی تمام برائیوں کے اندر تھے تو اللہ نے انہیں ان برائیوں سے نکالا۔ یعنی (معاذ اللہ) کوئی برائی ایسی تھی ہی نہیں جس میں یہ پاک ہستیاں نہ ہوں کیونکہ اس جملے میں برائیوں کے ساتھ لفظ ”کل“ استعمال کیا گیا ہے اور اگر ایک برائی کو بھی چھوڑ دیا جائے تو یہ ”کل“ نہ رہے گا بلکہ جزو بن جائے گا۔ چونکہ حشم ہماری مخالفت میں لکھ رہا تھا اسلئے اس پر لازم تھا کہ ہماری اس بات کی بھی ضرور مخالفت کرے۔ چنانچہ وہ اس بات پر کمر بستہ ہو گیا کہ یہ ثابت کر دے کہ (معاذ اللہ) محمد وآل محمد (اُس کے گمان کے مطابق) واقعی تمام برائیوں میں تھے۔ اللہ کی لعنت ہوا یا کہنے یا سمجھنے والوں پر۔ پہلے تو اس نے اس جملے کے حوالے لکھے اور کہا کہ یہ قوت شیخ طوسی کی کتاب ”مصابح الجہد“ میں موجود ہے۔ یہاں ہم ایک بات عرض کرتے ہیں جو انشاء اللہ ہر مومن کے کام آئے گی۔ یاد رکھیئے کہ ہمارا مذہب کتابی مذہب نہیں ہے جبکہ اہلسنت کا مذہب کتابی مذہب ہے۔ یعنی اُن کا مذہب وہ ہی ہے جو صحیح بخاری میں لکھا ہے چاہے وہ کچھ بھی ہو۔ لیکن ہمارا مذہب عقلی ہے۔ عقل نے طے کر دیا ہے کہ اللہ کی جدت میں کوئی عیب اور نقص نہیں ہو سکتا ورنہ بصورت دیگروہ عیب و نقص اللہ کی ذات میں سمجھا جائے گا کیونکہ جدت اللہ کی مظہر ہوتی ہے اور اللہ کو ہم جن جن صفات کے ساتھ مانتے ہیں وہ اسی جدت کو دیکھ کر مانتے ہیں۔

لہذا اگر کسی روایت سے جدت کی تذلیل و توہین ہو تو ہم بغیر کسی جھگٹ کے اُس روایت کو رد کریں گے جا ہے وہ کسی بھی کتاب میں ہو اور جا ہے اس کتاب کا درجہ کتنا

ہی بلند کیوں نہ ہو۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسی ہر روایت خلاف قرآن ہے کیونکہ قرآن نے آپ تطہیر میں اہلیت کی عصمت کی گواہی دی ہے۔ ہم قرآن کو چھوڑ کر شیخ طوسی کی بات کیونکر مان سکتے ہیں۔ جبکہ ہم تو ایسی روایت درج کرنے پر شیخ طوسی کو ہدف ملامت بنائیں گے۔ لیکن حشم نے شیخ طوسی کی آڑ لے کر اس قوت کی حمایت شروع کر دی۔ اُس نے ابتداء لفظ ”سوء“ (برائی) سے کی۔ پہلے تو اس کے کئی معنی بتائے مثلًا فقر و محتاجی، زنا اور برص کی بیماری وغیرہ۔ اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ”سوء“ کے معنی فقط برائی نہیں بلکہ اور بھی ہیں گویا ”زنا“ اس کے نزدیک کوئی برائی نہیں بلکہ کوئی اچھی چیز ہے۔ فقر و محتاجی اور برص کی بیماری بھی اس کی نظر میں شاید بہت پسندیدہ چیزیں ہوں گی۔ جس کی مت ماری جاتی ہے وہ ایسی ہی وہی تباہی بکا کرتا ہے۔ لیکن اس خرافات سے قطع نظر اس اصول کو ذہن میں رکھنا پڑے گا کہ اگر کسی لفظ کے کئی معنی ہوں تو کسی خاص مقام پر اس کے معنی کا تعین کرنے کے لئے قرینہ تلاش کرنا پڑتا ہے اور عیدین کے قتوں میں لفظ ”سوء“ لفظ ”خیز“ کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہاں اس کے معنی برائی کے علاوہ کچھ اور ہوئی نہیں سکتے۔

حشم نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ (معاذ اللہ) محمد و آل محمد تمام برائیوں کے اندر تھے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۷ پر امام زین العابدینؑ کی دعاوں کے مجموعے ”صحیفہ سجادیہ“ سے امامؑ کی دعاوں کے ایسے اقتباسات نقل کئے ہیں جن میں آپؐ نے ہر قسم کے گناہوں کے ارتکاب کا اقرار کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے۔ ”آپؐ نے امامؑ معمصوم (اس شخص کو غیرت نہیں آتی، امامؑ کو معمصوم بھی لکھ رہا ہے اور ان میں دنیا بھر کے عیب بھی نکال رہا ہے) کی ان دعاوں میں جو ہم نے پچھلے صفحات میں نقل کی ہیں، ملاحظہ کیا ہوگا کہ امامؑ نے کیسے کیسے الفاظ اپنی دعا میں کہے ہیں جو ایک عام اور انجان آدمی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ مگر یہ اس

کی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے ہوگا۔ (گویا جو شخص مخصوص میں کوئی عیب تسلیم نہ کرتا ہو وہ حشمت کی نگاہ میں کم علم اور جاہل ہے۔ اگر اسی چیز کو علم کہتے ہیں جو حشمت کی سمجھ میں آیا ہے تو ایسے علم پر اللہ، اس کی حجتوں، اس کے ملائکہ اور تمام انسانوں اور جانوروں کی لعنت ہو)۔ اس کے علاوہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ امام نے اپنی دعاوں میں ان الفاظ کا استعمال اپنی ذات کیلئے فرمایا ہے۔

اس جملے کا وزن اُس وقت آپ کی سمجھ میں آجائے گا جب ہم وہ اقتباسات آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ دیدہ دلیری دیکھیں کہ ایسے تمام مذموم الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔ ”یہ الفاظ امام مخصوص کے کلام میں موجود ہیں۔ گستاخ مخصوص ثاری زیدی نے دعاۓ قنوت کے جن جملوں پر اپنے ناپاک حملے کئے ہیں وہ تمام جملے، تمام الفاظ امام زین العابدینؑ کی دعاوں میں موجود ہیں، سو ہم نے جدت تمام کر دی۔ قوم شیعہ اس کا نوٹ لیں ورنہ مذہب اہلیت کا انکار کر دیں“۔ گویا حشمت کی نظر میں مذہب اہلیت یہ ہے کہ خود اہلیتؑ میں تمام برائیوں کا وجود تسلیم کیا جائے؟۔

ایک خبیث ناصبی یوسف لدھیانوی نے ”شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم“ نامی ایک کتاب لکھی تھی جسمیں اس نے صحیفہ سجادیہ سے ایسی ہی دعا میں نقل کی تھیں اور پھر لکھا تھا کہ ”جن شیعوں کا امام (معاذ اللہ) اتنا گناہ گار ہو وہ شیعہ خود کتنے گنہگار ہوں گے؟“، حشمت نے بالکل وہی کام کیا ہے جو یوسف لدھیانوی نے کیا تھا۔ ہم تو اب تک اسی پر لعنت بھیج رہے تھے، اب معلوم ہوا کہ اس لعنت کا حصہ دار کوئی اور بھی ہے۔

جن دعاوں کے اقتباسات حشمت نے لکھے ہیں اُن کی حقیقت ہم اپنے بیان کے آخر میں

لکھیں گے لیکن یہ ذہن میں رکھیئے کہ ہر دعا کے دوران امام نے بار بار یہ جملہ دو ہر ایا ہے کہ ”پروردگار درود پیغمبرؐ وآل محمدؐ پر“۔ اسی ایک جملے سے آپ اصل حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

اب ہم صحیفہ سجادیہ کے وہ چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جن کو حشم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور جن کی بنیاد پر اُس نے یہ تمام ہرزہ سراہی کی ہے۔ ہم یہ اقتباسات صحیفہ کاملہ سے نہیں بلکہ خود حشم کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں تاکہ کوئی عذر نہ تراشا جاسکے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ان دعاؤں کے ایک ایک لفظ کو انتہائی غور سے پڑھیں تاکہ آپ اس مقصد کو سمجھ سکیں جو حشم کے پیش نظر ہے۔

۱۔ صفحہ ۱۲۹۔ ”اے اللہ کراماً کا تبین پر زحمت کم کر دے اور ہمارا نامہ اعمال نیکیوں سے بھردے اور ہماری بد اعمالیوں کی وجہ سے ہمیں اُن (یعنی کراماً کا تبین) کے سامنے رسوأ نہ کر“۔

۲۔ بار الہا! اگر تو چاہے کہ ہمیں معاف کر دے تو یہ تیرے فضل کے سبب سے ہے اور اگر تو چاہے کہ ہمیں سزادے تو یہ تیرے عدل کی رو سے ہے۔ تو اپنے شیوهِ احسان کے پیش نظر ہمیں پوری معافی دے اور ہمارے گناہوں سے درگز کر کے اپنے عذاب سے بچالے۔ اس لئے کہ ہمیں تیرے عدل کی تاب نہیں ہے اور تیرے عفو کے بغیر ہم میں سے کسی ایک کی بھی نجات نہیں ہو سکتی“۔ (صفحہ ۱۳۰، ۱۲۹)

۳۔ صفحہ ۱۳۰۔ ”ہمارے ان گناہوں اور ہماری ان معصیتوں پر جن کے ہم مرتكب ہوئے ہیں۔ سرزنش نہ کرے اور جب اپنے بندوں کے حالات چانچے تو اس پر دے کو

جو تو نے ہمارے گناہوں پر ڈالا ہے سب کے رو برو چاک نہ کرے۔

۳۔ صفحہ ۱۳۰۔ ”اے اللہ مجھے تین باتیں تیری بارگاہ میں سوال کرنے سے روکتی ہیں اور ایک بات اس پر آمادہ کرتی ہے۔ جو باتیں روکتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس امر کا تو نے حکم دیا، میں نے اس کی تعمیل میں سُستی کی۔ دوسرے یہ کہ جس چیز سے تو نے منع کیا اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔ تیسرا جو عتیقیں تو نے مجھے عطا کیں ان کا شکر یہ ادا کرنے میں کوتا ہی کی“۔

۵۔ صفحہ ۱۳۰۔ ”تو کیا اے میرے معبدو! یہ بد اعمالیوں کا اقرار تیری بارگاہ میں میرے لئے سودمند ہو سکتا ہے اور وہ برا بیاں جو مجھ سے سرزد ہوئی ہیں ان کا اعتراض تیرے عذاب سے نجات کا باعث قرار پاسکتا ہے؟ یا یہ کہ تو نے اس مقام پر مجھ پر غصب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور دعا کے وقت اپنی ناراضگی کو میرے لئے برقرار رکھا ہے..... میں اس بندہ ذلیل کی سی بات کہہ رہا ہوں جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے پروردگار کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا“۔

۶۔ صفحہ ۱۳۲۔ ”اے معبدو ان گناہوں کا بوجھ ملکا کر دے جو میری پیٹھ کو گراں بار بنائے ہوئے ہیں اور ان برا بیویوں سے پاک کر دے جن میں میں ڈوبا ہوا ہوں“۔

۷۔ صفحہ ۱۳۳۔ ”اے میرے معبدو میں وہ ہوں جس کی پشت گناہوں سے بوجھل ہو گئی ہے۔ میں وہ ہوں جس کی عمر گناہوں میں بیت چکی ہے۔ میں وہ ہوں جس نے اپنی نادانی اور جہالت سے تیری نافرمانی کی“۔

۸۔ صفحہ ۱۳۳۔ قارئین سے خصوصی استدعا ہے کہ اس اقتباس کو انتہائی توجہ سے پڑھیں اور

ایک ایک لفظ کو نظر میں رکھیں۔

”میں اُس روزی کو جسے تو نے میرے لئے قرار دیا ہے ان گناہوں میں صرف کرتا ہوں جن سے تو نے منع کیا ہے اور مجھ سے زیادہ کون باطل کی گہرائی تک اترنے والا اور برا بیوں پر اقدام کی جراءت کرنے والا ہوگا جبکہ میں ایسے دورا ہے پر کھڑا ہوں جہاں ایک طرف تو دعوت دے اور دوسرے طرف شیطان آواز دے تو میں اس کی کارستانیوں سے واقف ہوتے ہوئے اور اس کی شر انگیزیوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کی آواز پر لبیک کہتا ہوں۔ حالانکہ مجھے اس وقت بھی یقین ہوتا ہے کہ تیری دعوت کا مآل جنت اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کا انجام دوزخ ہے..... بلکہ میں تو اے معبدو! بہت گنہگار، بہت بد صفات و بد اعمال اور غلط کاریوں میں بے باک اور تیری اطاعت کے وقت سست گام اور تیری تہذید و سرزنش سے غالباً اور اس کی طرف بہت کم نگران ہوں تو میں کس طرح اپنے عیوب تیرے سامنے شمار کر سکتا ہوں یا اپنے گناہوں کا ذکر کرو بیان سے احاطہ کر سکتا ہوں۔“

۹۔ صفحہ ۱۳۲۔ ”جب میں نے پہلے پہل تیری معصیت کی تو میری سزا جہنم طے تھی لہذا تو مجھ پر عذاب کرے تو میرے حق میں ظلم نہیں ہوگا۔“

۱۰۔ صفحہ ۱۳۵۔ ”ہمارے دلوں کی کثافتوں اور گناہوں کی آلو دگی کو دھو دے..... پری عادات اور پست اخلاق سے ہمیں دور کر دے اور کفر کے گڑھے اور نفاق انگیز چیزوں سے بچالے۔“

آپ نے حشم کی کتابوں سے دس اقتباسات ملاحظہ فرمائے۔ دوسری کتابوں میں بھی امام

زین العابدینؑ کی ایسی ہی دعائیں موجود ہیں۔ تفسیر نور الشفیلین میں بھی کچھ دعائیں ہیں جن میں اتنا اضافہ اور ہے کہ ”تو نے ذلیل بانی کی شکل میں مجھے ایسے زندانِ رحم کے، جسے مختلف پردوں میں تو نے پوشیدہ کیا تھا، اتارا“ اور یہ جملہ بھی کہ ”اب تیرے عذاب سے مجھے کون چھڑائے گا؟“ ان تمام دعاؤں میں کچھ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو ہم آپ کی توجہ مبذول کرانے کیلئے دوبارہ لکھے دیتے ہیں۔

۱۔ ہماری بد اعمالیاں، بد صفاتیاں اور غلط کاریاں۔

۲۔ عذاب پہنچنے کا ڈرہبیں بلکہ یقین۔

۳۔ بغیر عفو خدا کے ہم میں سے کسی ایک کی بھی نجات نہیں ہو سکتی۔

۴۔ ہم گناہوں اور معصیت کے مرٹک ہوتے ہیں۔

۵۔ جس چیز کا تو نے حکم دیا اس پر ہم نے عمل نہ کیا۔

۶۔ جس چیز سے تو نے روکا اس سے ہم بازنہ آئے۔

۷۔ جو نعمتیں تو نے عطا کیں ان کا ہم نے شکر ادا نہ کیا۔

۸۔ غضبِ خدا کا مستحق

۹۔ ہم نے اللہ کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا۔

۱۰۔ گناہوں سے میری پیٹھ بوجھل ہو رہی ہے۔

۱۱۔ میں برا یوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔

۱۲۔ میری ساری عمر گناہوں میں گزری ہے۔

۱۳۔ میں نے اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے تیری نافرمانی کی۔

۱۳۔ اللہ نے جو روزی عطا فرمائی ہے اسے گناہوں میں صرف کرنا۔

۱۵۔ باطل کی گہرائی میں اترنے والا،

۱۶۔ اگر ایک طرف اللہ دعوت دے اور دوسری طرف شیطان دعوت دے تو میں

شیطان کی دعوت پر بلیک کھوں گا۔

۱۷۔ میرے لئے جہنم کی سزا طے ہو چکی تھی۔

۱۸۔ ذلیل بانی کی پیدائش۔

۱۹۔ اب تیرے عذاب سے مجھے کون چھڑائے گا۔

اگر ان تمام بالتوں کو آپ نے غور سے پڑھا ہے اور سمجھ لیا ہے تو اب ہم ایک بار پھر حشمت کا وہ جملہ آپ کو یاد دلاتے ہیں جو اس نے ان دعاوں کے نتیجے کے طور پر لکھا ہے اور وہ جملہ یہ ہے:-

”امامؐ نے اپنی دعاوں میں ان الفاظ کا استعمال اپنی ذات کیلئے فرمایا ہے۔“

اب آپ کے سامنے دور استے ہیں۔ یا تو حشمت کی بات مان لیں، لیکن اس صورت میں آپ کو عقیدہ عصمت کا انکار کرنا پڑے گا اور اس طرح عقیدہ نبوت و امامت کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ عصمت لازمہ نبوت و امامت ہے اور بغیر عصمت کے نبوت و امامت کا کوئی وجود، ہی نہیں ہے اور اس بنیاد پر اللہ کی بات کا انکار کرنا پڑے گا کہ ”میں نے انہیں بنی اور امام بنا کر بھیجا ہے۔ پھر قرآن کا انکار کرنا پڑے گا جس میں آپؐ تطہیر موجود ہے۔ اور اگر یہ سب کچھ آپ نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ آپ اُس شیطان کی گردان پکڑیں جس نے یہ وسوسہ آپ کے دل میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ

میں ہے۔

جب حشم کو محسوس ہوا کہ اُس نے کیا کھدیا ہے اور مومنین کے غیض و غصب کا خوف ہوا تو وہ اپنی مدد کیلئے اپنے مرشد مفتی جعفر حسین کو بلا لایا جنہوں نے ان دعاوں کی تو جیہے کچھ یوں کی ہے:-

”احساسِ عبودیت کے پیشِ نظر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں غنو و درگز رکی التجا کرتے ہیں اور توبہ و انا بت کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں کیونکہ اللہ کے حقوق اور اس کے آن گنت احسانات و انعامات کے شکریے سے کوئی بھی عہدہ بر انہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے ہر شخص خواہ وہ گناہوں سے محفوظ ہو، توبہ و استغفار کا محتاج ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ میں ہر روز ستر مرتبہ توبہ و استغفار کرتا ہوں“۔

یہ تھا ان ظلمت کدوں کے اسیروں کا سرمایہ استدلال۔ اول تو ان کم نظر وہ نے معصومینؐ کی عبادت کو اپنی عبادت پر قیاس کر لیا۔ ان ذوات مقدسہ کی عبادت کیا تھی، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کجا یہ کہ ہم ان کی عبادات میں کوتا ہیاں تلاش کریں۔ لیکن اگر ایک لمحہ کیلئے مفتی صاحب کی بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی دعا تو یہ ہونی چاہیئے تھی کہ ”پروردگار ہم تیری عبادت کا حق ادا کر سکے کیونکہ یہ ہمارے بس میں تھا ہی نہیں اسلئے ہمیں اتنی قوت عطا فرمائے ہم حتی الامکان تیری عبادت کا حق ادا کر سکیں“۔ جب مفتی صاحب خود اقرار کر رہے ہیں کہ ”اللہ کے حقوق اور اس کے آن گنت احسانات و انعامات کے شکریے سے کوئی بھی عہدہ بر انہیں ہو سکتا“، یعنی کسی میں طاقت ہی نہیں کہ اس کا حق ادا کر سکے تو کوتا ہی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوتا ہی تو اس وقت ہو گی جب طاقت رکھتے ہوئے بھی انسان حق ادا نہ کرے اور معصومینؐ کے بارے میں ایسا سوءِ ظن رکھنا مفتی صاحب کا ہی دل گردد ہو سکتا

ہے۔ پھر بھی اگر ایک لمحے کے لئے ان کی ناقص رائے کو ہم مان بھی لیں تب بھی ان جملوں کا کوئی جواز پیدا نہیں ہو سکتا جو معصومؐ کی دعاؤں میں موجود ہیں اور سونے پر سہا گہ کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ (معاذ اللہ) معصومؐ نے یہ جملے اپنی ذات کیلئے استعمال فرمائے تھے۔ یہ صرف اور صرف شمنی معصومؐ ہے جو اس بہانے حشم کی زبان سے ظاہر ہو گئی۔

بات یہ ہے کہ ائمہ طاہرینؐ معلم اخلاق تھے اور انہوں نے جہاں ہمیں دیگر آداب زندگی سکھائے وہاں آداب دعا و توبہ واستغفار بھی تعلیم کئے ہیں تاکہ ہم جان لیں کہ جب بارگاہ معبود میں حاضر ہوں تو خود کو ذلیل ترین مقام پر رکھ کر اس سے گفتگو کریں۔ اس کے سامنے اپنے نفس پر اتهام لگائیں اور اپنے اُن گناہوں کا بھی اقرار کریں جن کےاظاہر ہم مرتكب نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ اس کے سامنے ناک رگڑے اور آہ وزاری کرے۔ یہی تعلیم تھی جو ان تمام دعاؤں میں مضمرا ہے۔ اس کی ایک آسانی مثال ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جوان شاء اللہ ہر شخص کی سمجھ میں آجائے گی۔ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ معصومؐ غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ تو کیا وہ واقعی نجس ہوتے تھے؟۔ ہرگز نہیں! کیونکہ ازوئے قرآن کوئی بھی نجاست ظاہری و باطنی ان کے قریب نہیں آ سکتی تھی۔ پھر وہ غسل جنابت کیوں کرتے تھے؟۔ صرف ہمیں سکھانے کیلئے، کیونکہ وہ ہمارے ہادی تو تھے ہی لیکن ہمارے لئے نہ نہیں عمل بھی تھے اور انہوں نے ہمیں کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس پر خود عمل کر کے نہ دکھادیا ہو۔ رسولؐ اللہ اور ائمہ طاہرینؐ کو جو غسل میت دیا جاتا تھا اس کی علت بھی یہی تھی نہ یہ کہ ان کی میت ہماری میتوں کی طرح نجس ہوتی تھی۔ العیاذ باللہ۔

معصومین کے توبہ و استغفار کی حقیقت کیا تھی، یہ آپ کو مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہو جائے گا۔ انہیں توجہ سے پڑھئے اور اچھی طرح سمجھئے تاکہ کوئی ابلیس کا چیلہ آپ کے دل میں وسوسہ نہ ڈال سکے۔

۱۔ سورہ فتح ۲۔ ”تَاكَهُ (اے رسول) خدا تیرے ان گناہوں کو معاف کر دے جو تجو

سے سرزد ہوئے ہیں“

تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ پر معصوم اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان سے مرادامت کے گناہ ہیں“۔

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ اپنی امت کے گناہوں کی معافیاں مانگ کرتے تھے اور انہی کیلئے دن میں ستر مرتبہ توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔

۲۔ القطرة من بخار حصہ دوم صفحہ ۱۱۵

”محمد بن یعقوب کلینی“ کتاب کافی میں امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا۔

”بے شک خدا شیعوں کے گناہوں کی وجہ سے ان پر غضناک ہو گیا اور مجھے اختیار دیا کہ میں ان کے بد لے عقوبت تجمل کروں یا وہ خود عقوبت برداشت کریں۔ خدا کی قسم میں نے عقوبت اور سزا کو اپنی جان پر برداشت کر لیا اور شیعوں کو بچالیا“۔

۳۔ القطرة من بخار ج ۲ صفحہ ۱۱۵۔

مؤلف (آیت اللہ) سید احمد متنبیٹ مندرجہ بالا حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ”امہ طاہرین نے کچھ اعمال اپنے شیعوں کی طرف سے کوتا ہیوں اور خامیوں کے

يد لے میں انعام دیئے ہیں۔ خدا بھلا کرے اس شاعر کا جو کہتا ہے:-

”جب محبت کی کیمیا کا غبار گناہوں پر بیٹھ گیا تو گناہوں کی حالت تبدیل ہو جائے گی
اور وہ مکمل طور پر محو ہو جائیں گے۔“

امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا بھی یہی راز ہے۔ انہوں نے بھی اپنے شیعوں اور
محبوبوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کیلئے استغفار کیا ہے اور بارگاہ خداوندی میں آہ زاری
اور فریاد کی ہے اور کیوں نہ ہو جکہ وہی تو ہمارے شفج اور ضمانتی ہیں۔ پروردگار ہمیں
ہمیشہ ان کے دامن سے متancock رکھے اور انہی کے سامنے میں ہمیں مشور فرمائے۔

آمین ثم آمین

یہ کتاب ”کشف الحجاب“، آج مورخ ۲۳ مئی ۲۰۰۹ء مطابق ۲۷ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ بروز
ہفتہ بوقت ساڑھے پانچ بجے شام بتوفیق خداوندِ ذوالجلال اور بتائید و امداد حضرت صاحب
الزمان پا یہ تکمیل تک پہنچی۔

**الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خاتم
النبيين وآلهم الطيبين الطاهرين المعصومين المظلومين،
ولعنة الله على اعدائهم من يومنا هذا إلى يوم الدين**

تحفہ یا علیٰ مدد



ولايت خامنه‌اي ولايت على هے
ولايت على ولايت خدا هے

الله اکبر خلوبخان پیغمبر